۲

رَبّ

لغوی تحقیق

اس لفظ کا مادّہ ر ب ب ہے جس کا ابتدائی واساسی مفہوم پرورش ہے۔ پھر اسی سے تصرُّف، خبر گیری، اصلاحِ حال اور اتمام و تکمیل کا مفہوم پیدا ہوا۔ پھر اسی بنیاد پر فوقیت، سیادت، مالکیت اور آقائی کے مفہومات اس میں پیدا ہو گئے۔ لغت میں اس کے استعمالات کی چند مثالیں یہ ہیں:

۱۔ پرورش کرنا، نشو و نما دینا، بڑھانا، مثلاً ربیب اور ربیبہ پروردہ لڑکے اور لڑکی کو کہتے ہیں۔ نیز اس بچے کو بھی ربیب کہتے ہیں جو سوتیلے باپ کے گھر پرورش پائے۔ پالنے والی دائی کو بھی ربیبہ کہتے ہیں۔ رابہ سوتیلی ماں کو کہتے ہیں، کیوں کہ وہ ماں تو نہیں ہوتی مگر بچے کو پرورش کرتی ہے۔ اسی مناسبت سے رابّ سوتیلے باپ کو کہتے ہیں۔ مربَّب یامربّی اسی دوا کو کہتے ہیں جو محفوظ کر کے رکھی جائے۔ رَبَّ یُرَبُّ رَبّاً کے معنی اضافہ کرنے بڑھانے اور تکمیل کو پہنچانے کے ہیں۔ جیسے رَبَّ النِّعْمَۃَ، یعنی احسان میں اضافہ کیا یا احسان کی حد کر دی۔

۲۔ سمیٹنا، جمع کرنا، فراہم کرنا۔ مثلاً کہیں گے۔ فُلَانٌ یَرُبُّ النَّاسَ یعنی فلاں شخص لوگوں کو جمع کرتا ہے، یا سب لوگ اس شخص پر مجتمع ہوتے ہیں۔ جمع ہونے کی جگہ کو مَرَبّ کہیں گے۔ سمٹنے اور فراہم ہو جانے کو ترَبُّبْ کہیں گے۔

۳۔ خبر گیری کرنا، اصلاحِ حال کرنا، دیکھ بھال اور کفالت کرنا، مثلاً رَبَّ ضَیْعَتَہٗ کے معنی ہوں گے فلاں شخص نے اپنی جائداد کی دیکھ بھال اور نگرانی کی۔ ابوسفیان سے صفوان نے کہا تھا لِاَنْ یَرُبَّنِیْ رَجُلٌ مِنْ قُرَیشٍ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ یَرُبَّنِیْ رَجُلٌ مِنْ ھَوَازِنْ یعنی قریش میں سے کوئی شخص مجھے اپنی ربوبیت (سرپرستی) میں لے لے یہ مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ ہوازن کا کوئی آدمی ایسا کرے۔ علقمہ بن عُبیدہ کا شعر ہے: ؎

وَكُنْتَ امْرَأً أَفْضَتْ اِلَيْكَ رِبَابَتِي وَقَبْلَكَ رَبَّتْنِي فَضِعْتُ رُبُوبِي

یعنی تجھ سے پہلے جو رئیس میرے مربّی تھے انھیں مَیں نے کھو دیا، آخر کار اب میری کفالت وربابت تیرے ہاتھ آئی ہے۔ فرزوق کہتا ہے:

كَانُوا كَسَائِلَةٍ حَمْقَاءَ اِذْ حَقَنَتْ سَلَاءَ هَا فِي اَدِيْمٍ غَيْرِ مَرْبُوبٍ

اس شعر میں ادیم غیر مربوب سے مراد وہ چمڑا ہے جو کمایا نہ گیا ہو، جسے دباغت دے کر درست نہ کیا گیا ہو۔ فلان یرب صنعته عند فلان کے معنی ہوں گے فلاں شخص فلاں کے پاس اپنے پیشہ کا کام کرتا ہے یا اس سے کاری گری کی تربیت حاصل کرتا ہے۔

۴۔ فوقیت، بالادستی، سرداری، حکم چلانا، تصرُّف کرنا۔ مثلاً قد ربّ فلان قومہ۔ یعنی فلاں شخص نے اپنی قوم کو اپنا تابع کر لیا۔ ربیتُ القوم یعنی میں نے قوم پر حکم چلایا اور بالا دست ہو گیا۔ لبید بن ربیعہ کہتا ہے:

وَاَهْلَكْنَ يَوْمًا رَبَّ كِنْدَةَ وَابْنَهُ وَرَبَّ مَعَدٍّ بَيْنَ خَبْتٍ وَعَرْعَرِ

یہاں رب کندہ سے مراد کندہ کا سردار ہے جس کا حکم اس قبیلہ میں چلتا تھا۔ اس معنی میں نابغہ ذبیانی کا شعر ہے:

تَخِبُّ اِلَى النُّعْمَانِ حَتّٰى تَنَالَهُ فِدًى لَكَ مِنْ رَبٍّ تَلِيْدِي وَطَارِفِي

۵۔ مالک ہونا، مثلاً حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا أَرَبُّ غَنَمٍ اَمْ رَبُّ اِبلٍ؟ تو بکریوں کا مالک ہے یا اونٹوں کا؟ اس معنی میں گھر کے مالک کو رَبُّ الدَّارِ اُونٹنی کے مالک کو رَبُّ النَاقَه، جائداد کے مالک کو رب الضیعه کہتے ہیں۔ آقا کے معنی میں بھی رب کا لفظ آتا ہے اور عبد، یعنی غلام کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔

غلطی سے رب کے لفظ کو محض پروردگار کے مفہوم تک محدود کر کے رکھ دیا گیا ہے اور ربوبیت کی تعریف میں یہ فقرہ چل پڑا ہے کہ هُوَاِنْشَاءُ الشَّئِ حَالًا فَحَالًا اِلٰى حَدِّالتَّمَامِ (یعنی ایک چیز کو درجہ بدرجہ ترقی دے کر پایۂ کمال کو پہنچانا)۔ حالانکہ یہ اس لفظ کے وسیع معانی میں سے صرف ایک معنی ہے۔ اس کی پوری وسعتوں کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ حسبِ ذیل مفہومات پر حاوی ہے:

۱۔ پرورش کرنے والا، ضروریات بہم پہنچانے والا، تربیت اور نشو ونما دینے والا۔

۲۔ کفیل، خبر گیراں، دیکھ بھال اور اصلاح حال کا ذمہ دار۔

۳۔ وہ جو مرکزی حیثیت رکھتا ہو، جس میں متفرق اشخاص مجتمع ہوتے ہوں۔

۴۔ سید مُطاع، سردار ذی اقتدار، جس کا حکم چلے، جس کی فوقیت و بالادستی تسلیم کی جائے، جسے تصرُّف کے اختیارات ہوں۔

۵۔ مالک، آقا۔

قرآن میں لفظ ''رَبّ'' کے استعمالات

قرآن مجید میں یہ لفظ ان سب معانی میں آتا ہے۔ کہیں ان میں سے کوئی ایک یا دو معنی مراد ہیں، کہیں اس سے زائد اور کہیں پانچوں معنی۔ اس بات کو ہم آیاتِ قرآنی سے مختلف مثالیں دے کر واضح کریں گے۔

پہلے معنی میں:

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ط (یوسف:۲۳)

''اس نے کہا کہ پناہ بخدا! وہ تو میرا رب ہے[1] جس نے مجھے اچھی طرح رکھا۔''

دوسرے معنی میں جس کے ساتھ پہلے معنی کا تصور بھی کم و بیش شامل ہے:

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۝ۙ الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ۝ۙ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ۝ۙ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ۝ۙ

(الشعرا:۷۷-۸۰)

''تمھارے یہ معبود تو میرے دشمن ہیں، بجز ربِ کائنات کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، جو میری راہ نمائی کرتا ہے، جو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے۔''

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَیْهِ تَجْـَٔرُوْنَ۝ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ یُشْرِكُوْنَ۝ۙ

(النحل:۵۳-۵۴)

---

[1] کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ حضرت یوسف عزیزِ مصر کو اپنا رب فرما رہے ہیں، جیسا کہ بعض مفسرین کو شبہ ہوا ہے، بلکہ دراصل ''وہ'' کا اشارہ خدا کی طرف ہے جس کی پناہ انھوں نے مانگی ہے۔ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ جب مشارٌ الیہ قریب ہی مذکور ہے تو کوئی غیر مذکور مشارٌ الیہ تلاش کرنے کی کیا ضرورت؟

''تمھیں جو نعمت بھی حاصل ہے اللہ ہی سے حاصل ہوئی ہے، پھر جب تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اُسی کی طرف تم گھبرا کر رجوع کرتے ہو مگر جب وہ تم پر سے مصیبت ٹال دیتا ہے تو کچھ لوگ تم میں ایسے ہیں جو اپنے رب کے ساتھ (اس نعمت کی بخشش اور اس مشکل کشائی میں) دوسروں کو شریک ٹھہرانے لگتے ہیں۔''

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ط (انعام:۱۶۴)

''کہو کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں، حالانکہ ہر چیز کا ربّ وہی ہے۔''

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ○ (المزمل:۹)

''وہ مغرب و مشرق کا رب ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے، لہٰذا اُسی کو اپنا وکیل (اپنے سارے معاملات کا کفیل و ذمہ دار) بنالے۔''

تیسرے معنی میں:

هُوَ رَبُّكُمْ قف وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ (ہود:۳۴)

''وہ تمھارا رب ہے اور اسی کی طرف تم پلٹا کر لے جائے جاؤ گے۔''

ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ۔ (الزمر:۷)

''پھر تمھارے رب کی طرف تمھاری واپسی ہے۔''

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا (سبا-۲۶)

''کہو کہ ہم دونوں فریقوں کو ہمارا رب جمع کرے گا۔''

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ط مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ○ (انعام:۳۸)

''زمین میں چلنے والا کوئی جان دار اور ہوا میں اڑنے والا کوئی پرندہ ایسا نہیں ہے جو تمھاری ہی طرح ایک امت نہ ہو، اور ہم نے اپنے دفتر میں کسی کے اندراج سے کوتاہی نہیں کی ہے۔ پھر وہ سب اپنے رب کی طرف سمیٹے جائیں گے۔''

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ○ (یٰس:۵۱)

''اور جوں ہی کہ صور پھونکا جائے گا وہ سب اپنے ٹھکانوں سے اپنے رب کی

طرف نکل پڑیں گے۔"

چوتھے معنی میں جس کے ساتھ کم وبیش تیسرے معنی کا تصور بھی موجود ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (التوبہ:۳۱)

"انھوں نے اللہ کے بجائے اپنے علما اور درویشوں کو اپنا رب بنالیا۔"

وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط (آلِ عمران:۶۴)

"اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔"

دونوں آیتوں میں ارباب سے مراد وہ لوگ ہیں جنھیں قوموں اور گروہوں نے مطلقاً اپنا راہ نُما و پیشوا مان لیا ہو۔ جن کے امر و نہی، ضابطہ و قانون اور تحلیل و تحریم کو بلا کسی سند کے تسلیم کیا جاتا ہو۔ جنھیں بجائے خود حکم دینے اور منع کرنے کا حق دار سمجھا جاتا ہو۔

اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ج وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ۔ (یوسف ۴۱-۴۲)

"یوسف (علیہ السلام) نے کہا کہ تم میں سے ایک تو اپنے رب کو شراب پلائے گا...... اور ان دونوں میں سے جس کے متعلق یوسفؑ کا خیال تھا کہ رہا ہو جائے گا اس سے یوسفؑ نے کہا کہ اپنے رب سے میرا ذکر کرنا، مگر شیطان نے اسے بھلاوے میں ڈال دیا اور اسے اپنے رب سے یوسفؑ کا ذکر کرنے کا خیال نہ رہا۔"

فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ط اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ۝ (یوسف:۵۰)

"جب پیغام لانے والا یوسفؑ کے پاس آیا تو یوسفؑ نے اس سے کہا کہ اپنے رب کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ میرا رب تو ان کی چال سے باخبر ہے ہی۔"

ان آیات میں حضرت یوسفؑ نے مصریوں سے خطاب کرتے ہوئے بار بار فرعونِ مصر کو ان کا رب قرار دیا ہے، اس لیے کہ جب وہ اس کی مرکزیت اور اس کا اقتدارِ اعلیٰ اور اسے امر و نہی کا مالک تسلیم کرتے تھے، تو وہی ان کا رب تھا، برعکس اس کے خود حضرت یوسفؑ اپنا رب اللہ کو قرار

دیتے ہیں، کیوں کہ وہ فرعون کو نہیں، صرف اللہ کو مقتدرِ اعلیٰ اور صاحبِ امر و نہی مانتے تھے۔

پانچویں معنی ہیں:

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝ (قریش:۳-۴)

''لہٰذا انھیں اس گھر کے مالک کی عبادت کرنی چاہیے جس نے ان کی رزق رسانی کا انتظام کیا ہے اور انھیں بدامنی سے محفوظ رکھا ہے۔''

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ (الصّٰفّٰت:۱۸۰)

''تیرا رب جو عزت و اقتدار کا مالک ہے ان تمام صفاتِ عیب سے پاک ہے جو یہ لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔''

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ (الانبیا:۲۲)

''اللہ جو عرش کا مالک ہے اُن تمام صفاتِ عیب سے پاک ہے جو یہ لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔''

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ (المومنون:۸۶)

''پوچھو کہ ساتوں آسمانوں کا اور عرشِ بزرگ کا مالک کون ہے؟''

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝ (الصّٰفّٰت:۵)

''وہ جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور اُن سب چیزوں کا جو آسمان و زمین کے درمیان ہیں اور سب چیزوں کا جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔''

وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ۝ (النجم:۴۹)

''اور یہ کہ شعریٰ کا مالک بھی وہی ہے۔''

ربُوبیّت کے باب میں گم راہ قوموں کے تخیلات

ان شواہد سے لفظِ رب کے معانی بالکل غیر مشتبہ طور پر معین ہو جاتے ہیں۔ اب ہمیں دیکھنا چاہیے کہ ربوبیت کے متعلق گم راہ قوموں کے وہ کیا تخیلات تھے جن کی تردید کرنے کے لیے قرآن آیا، اور کیا چیز ہے جس کی طرف قرآن بلاتا ہے۔ اس سلسلہ میں زیادہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ

جن گم راہ قوموں کا ذکر قرآن نے کیا ہے انھیں الگ الگ لے کر ان کے خیالات سے بحث کی جائے تا کہ بات بالکل مُنقّح ہو جائے۔

قومِ نوحؑ

سب سے پہلی قوم جس کا ذکر قرآن کرتا ہے، حضرت نوحؑ کی قوم ہے۔ قرآن کے بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اللہ کی ہستی کے منکر نہ تھے۔ حضرت نوحؑ کی دعوت کے جواب میں ان کا یہ قول خود قرآن نے نقل کیا ہے:

مَاهٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ط وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ج (المؤمنون:۲۴)

”یہ شخص کچھ نہیں ہے مگر تم جیسا ایک انسان، یہ دراصل تم پر اپنی فضیلت جمانا چاہتا ہے۔ ورنہ اگر اللہ کوئی رسول بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کو بھیجتا۔“

انھیں اللہ کے خالق ہونے اور پہلے دوسرے معنی میں اس کے رب ہونے سے بھی انکار نہ تھا۔ چنانچہ حضرت نوحؑ جب ان سے کہتے ہیں کہ هُوَ رَبُّكُمْ قف وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَo [1] (ہود:۳۴)

اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًاo لا [2] (نوح:۱۰) اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًاo لا وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًاo وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا [3] o لا الخ (نوح:۱۵۔۱۶)

تو ان میں سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ اللہ ہمارا رب نہیں ہے، یا زمین و آسمان کو اور ہمیں اس نے پیدا نہیں کیا ہے، یا زمین و آسمان کا یہ سارا انتظام وہ نہیں کر رہا ہے۔ پھر انھیں اب اس بات سے بھی انکار نہ تھا کہ اللہ ان کا الٰہ ہے۔ اسی لیے تو حضرت نوحؑ نے اپنی دعوت ان کے سامنے ان الفاظ میں پیش کی کہ مَالَكُمْ

---

۱ وہ تمھارا رب ہے اور اسی کی طرف تمھیں پلٹ کر جانا ہے۔

۲ اپنے رب سے معافی چاہو کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔

۳ دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کیسے ہفت آسمان تہ بہ تہ بنائے اور چاند کو ان کے درمیان نور اور سورج کو چراغ بنایا اور تمھیں بھی اسی طرح سے پیدا کیا۔

مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (اس کے سوا تمھارے لیے کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے) ورنہ وہ اگر اللہ کے الٰہ ہونے سے منکر ہوتے تو دعوت کے الفاظ یہ ہوتے اِتَّخَذُوْا اللّٰهَ اِلٰهًا (اللہ کو اپنا الٰہ بنالو)

اب سوال یہ ہے کہ ان کے اور حضرت نوحؑ کے درمیان نزاع کس بات پر تھا؟ آیاتِ قرآن کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ بنائے نزاع دو باتیں تھیں۔

ایک یہ کہ حضرت نوحؑ کی تعلیم یہ تھی کہ جو رب العالمین ہے، جسے تم بھی مانتے ہو کہ تمھیں اور تمام کائنات کو اسی نے وجود بخشا ہے اور وہی تمھاری ضروریات کا کفیل ہے، دراصل وہی اکیلا تمھارا الٰہ ہے، اس کے سوا کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے۔ کوئی اور ہستی نہیں ہے جو تمھاری حاجتیں پوری کرنے والی، مشکلیں آسان کرنے والی، دعائیں سننے اور مدد کو پہنچنے والی ہو۔ لہٰذا تم اسی کے آگے سرِ نیاز جھکاؤ۔

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ وَلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ ۔ (الاعراف:۵۹۔۶۲)

"اے برادرانِ قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارے لیے کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے...... مگر مَیں ربّ العٰلمین کی طرف سے پیغامبر ہوں۔ تمھیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں۔"

برعکس اس کے وہ لوگ اس بات پر مُصر تھے کہ ربّ العٰلمین تو اللہ ہی ہے مگر دوسرے بھی خدائی کے انتظام میں تھوڑا بہت دخل رکھتے ہیں، اور ان سے بھی ہماری حاجتیں وابستہ ہیں، لہٰذا اللہ کے ساتھ ہم دوسروں کو الٰہ مانیں گے۔

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ○ (نوح:۲۳)

"ان کے سرداروں اور پیشواؤں نے کہا کہ لوگو! اپنے الٰہوں کو نہ چھوڑو، وَدّ اور سُواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو نہ چھوڑو۔"

دوسرے یہ کہ وہ لوگ صرف اس معنی میں اللہ کو رب مانتے تھے کہ وہ ان کا خالق، زمین و آسمان کا مالک اور کائنات کا مدبّرِ اعلیٰ ہے۔ لیکن اس بات کے قائل نہ تھے کہ اخلاق، معاشرت،

تمدن، سیاست اور تمام معاملاتِ زندگی میں بھی حاکمیت واقتدارِ اعلیٰ اسی کا حق ہے، وہی راہ نما، وہی قانون ساز، وہی صاحبِ امر ونہی بھی ہے اور اسی کی اطاعت بھی ہونی چاہیے۔ ان سب معاملات میں انھوں نے اپنے سرداروں اور مذہبی پیشواؤں کو رب بنا رکھا تھا۔ برعکس اس کے حضرت نوحؑ کا مطالبہ یہ تھا کہ ربوبیت کے ٹکڑے نہ کرو۔ تمام مفہومات کے اعتبار سے صرف اللہ ہی کو رب تسلیم کرو، اور اس کا نمایندہ ہونے کی حیثیت سے جو قوانین اور احکام میں تمھیں پہنچاتا ہوں ان کی پیروی کرو۔

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ○ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ○ (الشعرا: ۱۰۷-۱۰۸)

''مَیں تمھارے لیے خدا کا معتبر رسول ہوں، لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔''

قومِ عاد

قومِ نوحؑ کے بعد قرآن عاد کا ذکر کرتا ہے۔ یہ قوم بھی اللہ کی ہستی سے منکر نہ تھی۔ اس کے الٰہ ہونے سے بھی اسے انکار نہ تھا۔ جس معنی میں حضرت نوحؑ کی قوم اللہ کو رب تسلیم کرتی تھی اس معنی میں یہ قوم بھی اللہ کو رب مان رہی تھی البتہ بنائے نزاع وہی دو امور تھے جو اوپر قومِ نوحؑ کے سلسلہ میں بیان ہو چکے ہیں۔ چنانچہ قرآن کی حسبِ ذیل تصریحات اس پر صاف دلالت کرتی ہیں:

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ...... قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا (الاعراف: ۶۵-۷۰)

''عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ اس نے کہا، اے برادرانِ قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی الٰہ نہیں...... انھوں نے جواب دیا کیا تو اس لیے آیا ہے کہ ہم بس اکیلے اللہ ہی کی عبادت کریں اور ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کے وقتوں سے ہوتی آرہی ہے۔''

قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً۔ (حٰم السجدہ۔۱۴)

''انھوں نے کہا اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے بھیج سکتا تھا۔''

وَتِلْكَ عَادٌ ۜ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ (ہود:۵۹)

''اور یہ عاد ہیں جنھوں نے اپنے رب کے احکام ماننے سے انکار کیا اس کے رسولوں کی اطاعت قبول نہ کی، اور ہر جبّار دشمنِ حق کی پیروی اختیار کر لی۔''

قومِ ثمود

اب ثمود کو لیجیے جو عاد کے بعد سب سے بڑی سرکش قوم تھی۔ اصولاً اس کی گم راہی بھی اس قسم کی تھی جو قومِ نوحؑ اور قومِ عاد کی بیان ہوئی ہے ان لوگوں کو اللہ کے وجود اور اس کے الٰہ اور رب ہونے سے انکار نہ تھا، اس کی عبادت سے بھی انکار نہ تھا۔ بلکہ انکار اس بات سے تھا کہ اللہ ہی الٰہ واحد ہے، صرف وہی عبادت کا مستحق ہے، اور ربوبیت اپنے تمام معانی کے ساتھ اکیلے اللہ ہی کے لیے خاص ہے۔ وہ اللہ کے سوا دوسروں کو بھی فریاد رس، حاجت روا، اور مشکل کشا ماننے پر اصرار کرتے تھے۔ اور اپنی اخلاقی وتمدنی زندگی میں اللہ کی بجائے اپنے سرداروں اور پیشواؤں کی اطاعت کرنے اور ان سے اپنی زندگی کا قانون لینے پر مصر تھے۔ یہ چیز بالآخراُن کے ایک فسادی قوم بن جانے اور مبتلائے عذاب ہونے کا موجب ہوئی۔ اس کی توضیح حسبِ ذیل آیات سے ہوتی ہے:

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ۝ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ (حٰم السجدہ:۱۳-۱۴)

''اے محمدؐ! اگر یہ لوگ تمھاری پیروی سے منہ موڑتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ عاد اور ثمود کو جو سزا ملی تھی ویسی ہی ایک ہول ناک سزا سے مَیں تمھیں ڈراتا ہوں۔ جب ان قوموں کے پاس ان کے پیغمبر آگے اور پیچھے سے آئے اور کہا کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو تو انھوں نے کہا ہمارا رب چاہتا تو فرشتے بھیجتا، لہٰذا تم جو کچھ لے کر آئے ہو اسے ہم نہیں مانتے۔''

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ ...... قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ

مَايَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ـ (ہود:۶۱۔۶۲)

''اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو بھیجا۔اس نے کہا اے برادرانِ قوم! اللہ کی پرستش و بندگی کرو۔اس کے سوا تمھارا کوئی الٰہ نہیں ہے...... انھوں نے کہا صالح! اس سے پہلے تو ہماری بڑی امیدیں تم سے تھیں، کیا تم ہمیں ان کی عبادت سے روکتے ہو جن کی عبادت باپ دادا سے ہوتی چلی آ رہی ہے۔''

اِذْقَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ○ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ○ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ○ وَلَا تُطِیْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ ○ الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ـ (الشعرا:۱۴۲۔۱۴۴۔۱۵۱۔۱۵۲)

''جب ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) نے ان سے کہا کہ کیا تمھیں اپنے بچاؤ کی کوئی فکر نہیں؟ دیکھو میں تمھارے اللہ کا معتبر رسول ہوں لہٰذا اللہ کی ناراضی سے بچو اور میری اطاعت قبول کرو...... اور ان حد سے گزرنے والوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔''

قومِ ابراہیمؑ و نمرود

اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ کی قوم کا نمبر آتا ہے۔اس قوم کا معاملہ خاص طور پر اس لیے اہم ہے کہ اس کے بادشاہ نمرود کے متعلق یہ عام غلط فہمی ہے کہ وہ اللہ کا منکر اور خود خدا ہونے کا مُدعی تھا۔ حالانکہ وہ اللہ کی ہستی کا قائل تھا، اس کے خالق و مدبّرِ کائنات ہونے کا معتقد تھا، اور صرف تیسرے، چوتھے اور پانچویں معنی کے اعتبار سے اپنی ربوبیت کا دعویٰ کرتا تھا۔ نیز یہ بھی عام غلط فہمی ہے کہ یہ قوم اللہ سے بالکل ناواقف تھی اور اس کے الٰہ اور رب ہونے کی سرے سے قائل ہی نہ تھی۔ حالانکہ فی الحقیقت اس قوم کا معاملہ قومِ نوح اور عاد و ثمود سے کچھ بھی مختلف نہ تھا۔ وہ اللہ کے وجود کو بھی مانتی تھی، اس کا رب ہونا اور خالقِ ارض و سما اور مدبّرِ کائنات ہونا بھی اسے معلوم تھا، اس کی عبادت سے بھی وہ منکر نہ تھی۔ البتہ اس کی گمراہی یہ تھی کہ ربوبیت بمعنی اول و دوم میں اجرامِ فلکی کو حصہ دار سمجھتی تھی۔ اور اس بنا پر اللہ کے ساتھ انھیں بھی معبود قرار دیتی تھی۔ اور ربوبیت بمعنی

سوم و چہارم وپنجم کے اعتبار سے اس نے اپنے بادشاہوں کو رب بنا رکھا تھا۔ قرآن کی تصریحات اس بارے میں اتنی واضح ہیں کہ تعجب ہوتا ہے کہ کس طرح لوگ اصل معاملہ کو سمجھنے سے قاصر رہ گئے...... سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کے آغازِ ہوش کا وہ واقعہ لیجیے جس میں نبوت سے پہلے ان کی تلاشِ حق کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (الانعام:۶: ۷۶-۷۹)

''جب اس پر رات طاری ہوئی تو اس نے ایک تارا دیکھا، کہنے لگا یہ میرا رب ہے۔ مگر جب وہ تارا ڈوب گیا تو اس نے کہا ڈوبنے والوں کو تو مَیں پسند نہیں کرتا، پھر جب چاند چمکتا ہوا دیکھا تو کہا، یہ میرا رب ہے مگر وہ بھی غروب ہو گیا تو کہا، اگر میرے رب نے میری راہ نُمائی نہ فرمائی تو یہ خطرہ ہے کہ کہیں مَیں بھی گم راہ لوگوں میں شامل نہ ہو جاؤں۔ پھر جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے، یہ سب سے بڑا ہے۔ مگر جب وہ بھی چھپ گیا تو وہ پکار اٹھا کہ اسے برادرانِ قوم جو شرک تم کرتے ہو اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں نے تو سب طرف سے منہ موڑ کر اپنا رُخ اس کی طرف پھیر دیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

خط کشیدہ فقروں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس سوسائٹی میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے آنکھ کھولی تھی اس میں آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے کا تصور، اور اس ذات کے رب ہونے کا تصور، ان سیاروں کی ربوبیّت کے تصور سے الگ موجود تھا۔ اور آخر کیوں نہ موجود ہوتا جب کہ یہ لوگ ان مسلمانوں کی نسل سے تھے جو حضرت نوح (علیہ السلام) پر ایمان لائے تھے، اور ان کی قریبی رشتہ دار ہم سایہ اقوام (عاد وثمود) میں پے در پے انبیا علیہم السلام کے ذریعہ سے دینِ

اسلام کی تجدید بھی ہوتی چلی آرہی تھی (جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ) پس حضرت ابراہیمؑ کو اللہ کے فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور رَبّ ہونے کا تصور تو اپنے ماحول سے مل چکا تھا، البتہ جو سوالات ان کے دل میں کھٹکتے تھے وہ یہ تھے کہ نظامِ ربوبیت میں اللہ کے ساتھ چاند، سورج، اور سیاروں کے شریک ہونے کا جو تخیل ان کی قوم میں پایا جاتا ہے، اور جس کی بنا پر یہ لوگ عبادت میں بھی اللہ کے ساتھ انھیں شریک ٹھہرا رہے ہیں، یہ کہاں تک مبنی بر حقیقت[1] ہے۔ چنانچہ نبوت سے پہلے اسی کی جستجو انھوں نے کی اور طلوع و غروب کا انتظام ان کے لیے اس امرِ واقعی تک پہنچنے میں دلیلِ راہ بن گیا کہ فَاطِرَ السَّمٰوٰت والارض کے سوا کوئی رب نہیں ہے۔ اسی بنا پر چاند کو غروب ہوتے دیکھ کر وہ فرماتے ہیں کہ اگر میرے رب، یعنی اللہ نے میری راہ نُمائی نہ فرمائی تو خوف ہے کہ کہیں میں بھی حقیقت تک رسائی پانے سے نہ رہ جاؤں، اور ان مظاہر سے دھوکا نہ کھا جاؤں جن سے میرے گردوپیش لاکھوں انسان دھوکا کھا رہے ہیں۔

پھر جب حضرت ابراہیمؑ نبوت کے منصب پر سرفراز ہوئے اور انھوں نے دعوتِ الی اللہ کا کام شروع کیا تو جن الفاظ میں وہ اپنی دعوت پیش فرماتے تھے ان پر غور کرنے سے وہ بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے، فرماتے ہیں:

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا (الانعام:۸۱)

”اور آخر میں ان سے کس طرح ڈر سکتا ہوں جنھیں تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو، جب کہ تم اللہ کے ساتھ انھیں شریک بناتے ہوئے نہیں ڈرتے جن کے الٰہیّت اور ربوبیّت میں شریک ہونے پر اللہ نے تمھارے پاس کوئی سند نہیں بھیجی ہے۔“

وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (مریم:۴۸)

”تم اللہ کے سوا اور جن جن سے دعائیں مانگتے ہو ان سے میں دست کش ہوتا ہوں“

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ...... قَالَ

[1] یہاں اس امر کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ حضرت ابراہیمؑ کے وطن اُر کے متعلق آثارِ قدیمہ کی کھدائیوں میں جو انکشافات ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں چندرماں دیوتا کی پرستش ہوتی تھی جسے ان کی زبان میں ”ننار“ کہا جاتا تھا۔ اور اس کے ہم سایہ علاقہ میں جس کا مرکز لَرسہ تھا سورج دیوتا کی عبادت ہوتی تھی جس کا نام ان کی زبان میں شماس تھا۔ اس ملک کے فرماں روا خاندان کا بانی اُرنمو تھا جو عرب میں جا کر نمرود ہو گیا اور اسی کے نام پر وہاں کے فرماں رواں کا لقب ہی نمرود قرار پایا، جیسے نظام الملک کے جانشین نظام کہلاتے ہیں۔

اَفَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَالَا یَنۡفَعُکُمۡ شَیۡئًا وَّلَا یَضُرُّکُمۡ ؈

(الانبیا:٥٦۔٦٦)

''کہا، تمھارا رب تو صرف آسمانوں اور زمین کا رب ہی ہے جس نے ان سب چیزوں کو پیدا کیا ہے...... کہا پھر کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو تمھیں نفع ونقصان پہنچانے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے؟''

اِذۡ قَالَ لِاَبِیۡہِ وَقَوۡمِہٖ مَاذَا تَعۡبُدُوۡنَ ؈ اَئِفۡکًا اٰلِہَۃً دُوۡنَ اللّٰہِ تُرِیۡدُوۡنَ ؈ فَمَا ظَنُّکُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ؈ (الصّٰفّٰت:٨٥۔٨٧)

''جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا، یہ تم کن کی عبادت کر رہے ہو؟ کیا اللہ کے سوا اپنے خود ساختہ الٰہوں کی بندگی کا ارادہ ہے؟ پھر رب العٰلمین کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے؟''

اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنۡکُمۡ وَمِمَّا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ کَفَرۡنَا بِکُمۡ وَبَدَا بَیۡنَنَا وَبَیۡنَکُمُ الۡعَدَاوَۃُ وَالۡبَغۡضَآءُ اَبَدًا حَتّٰی تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَحۡدَہٗۤ ۔ (الممتحنہ:٤)

''(ابراہیم علیہ السلام اور اس کے ساتھی مسلمانوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے صاف کہہ دیا) کہ ہمارا تم سے اور اللہ کے سوا جن جن کی عبادت تم کرتے ہو ان سب سے کوئی تعلق نہیں، ہم تمھارے طریقے کو ماننے سے انکار کر چکے ہیں اور ہمارے اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے بغض وعداوت کی بنا پڑ گئی ہے جب تک کہ تم اکیلے اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔''

حضرت ابراہیمؑ کے ان تمام ارشادات کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مخاطب وہ لوگ نہ تھے جو اللہ سے بالکل ناواقف اور اس کے رب العٰلمین اور معبود ہونے سے منکر یا خالی الذہن ہوتے۔ بلکہ وہ لوگ تھے جو اللہ کے ساتھ ربوبیت (بمعنی اول ودوم) اور الٰہیت میں دوسروں کو شریک قرار دیتے تھے۔ اسی لیے تمام قرآن میں کسی ایک جگہ بھی حضرت ابراہیمؑ کا کوئی ایسا قول موجود نہیں ہے جس میں انھوں نے اپنی قوم کو اللہ کی ہستی اور اس کے الٰہ اور رب ہونے کا قائل کرنے کی کوشش کی ہوگی، بلکہ ہر جگہ وہ دعوت اس چیز کی دیتے ہیں کہ اللہ ہی رب اور الٰہ ہے۔

اب نمرود کے معاملہ کو لیجیے۔ اس سے حضرت ابراہیمؑ کی جو گفتگو ہوئی اسے قرآن اس طرح

نقل کرتا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰھٖمَ فِیْ رَبِّہٖۤ اَنْ اٰتٰہُ اللّٰہُ الْمُلْکَ م اِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ لا قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ ط قَالَ اِبْرٰھٖمُ فَاِنَّ اللّٰہَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِھَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُھِتَ الَّذِیْ کَفَرَ ط

(البقرہ:۲۵۸)

''تم نے اس شخص کو بھی دیکھا جس نے ابراہیمؑ سے اس کے رب کے بارے میں بحث کی، اس بنا پر کہ اللہ نے اسے حکومت دے رکھی تھی۔ جب ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جس کے ہاتھ میں زندگی اور موت ہے، تو اس نے کہا زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے۔ ابراہیمؑ نے کہا، اچھا تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اب تو ذرا اُسے مغرب سے نکال لا۔ یہ سن کر وہ کافر مبہوت ہو کر رہ گیا۔''

اس گفتگو سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ جھگڑا اللہ کے ہونے یا نہ ہونے پر نہ تھا بلکہ اس بات پر تھا کہ ابراہیم علیہ السلام ''رب'' کسے تسلیم کرتے ہیں۔ نمرود اوّل تو اُس قوم سے تعلق رکھتا تھا جو اللہ کی ہستی کو مانتی تھی۔ دوسرے جب تک کہ وہ بالکل ہی پاگل نہ ہو جاتا وہ ایسی صریح احمقانہ بات کبھی نہ کہہ سکتا تھا کہ زمین وآسمان کا خالق اور سورج اور چاند کو گردش دینے والا وہ خود ہے۔ پس دراصل اس کا دعوٰی یہ نہ تھا کہ میں اللہ ہوں، یا رب السمٰوٰت والارض ہوں، بلکہ اس کا دعویٰ صرف یہ تھا کہ میں اس مملکت کا ''رب'' ہوں جس کی رعیت کا ایک فرد ابراہیمؑ ہے۔ اور یہ رب ہونے کا دعوٰی بھی اسے ربوبیت کے پہلے اور دوسرے مفہوم کے اعتبار سے نہ تھا، کیوں کہ اس اعتبار سے تو وہ خود چاند اور سورج اور سیاروں کی ربوبیت کا قائل تھا، البتہ وہ تیسرے، چوتھے اور پانچویں مفہوم کے اعتبار سے اپنی مملکت کا رب بنتا تھا۔ یعنی اس کا دعویٰ یہ تھا کہ میں اس ملک کا مالک ہوں، اس کے سارے باشندے میرے بندے، میرا مرکزی اقتدار ان کے اجتماع کی بنیاد ہے، اور میرا فرمان اُن کے لیے قانون ہے۔ اَنْ اٰتٰـہُ اللّٰـہُ الْمُلْکَ کے الفاظ صریحاً اس بات کی طرف اشارہ کر رہے کہ اس دعوائے ربوبیت کی بنیاد بادشاہی کے زعم پر تھی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ اس کی رعیت میں سے ابراہیمؑ نامی ایک نوجوان اٹھا ہے جو نہ چاند اور سورج اور سیاروں کی فوق

الفطری ربوبیت کا قائل ہے اور نہ بادشاہ وقت کی سیاسی وتمدنی ربوبیت تسلیم کرتا ہے، تو اسے تعجب ہوا اور اس نے حضرت ابراہیمؑ کو بلا کر دریافت کیا کہ آخر تم کسے رب مانتے ہو؟ حضرت ابراہیمؑ نے پہلے فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جس کے قبضۂ قدرت میں زندگی اور موت کے اختیارات ہیں۔ مگر اس جواب سے وہ بات کی تہ کو نہ پہنچ سکا اور یہ کہ کر اس نے اپنی ربوبیت ثابت کرنی چاہی کہ زندگی اور موت کے اختیارات تو مجھے حاصل ہیں جسے چاہوں قتل کرادوں اور جس کی چاہوں جان بخشی کردوں۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے بتایا کہ میں صرف اللہ کو رب مانتا ہوں، ربوبیت کے جملہ مفہومات کے اعتبار سے میرے نزدیک تنہا اللہ ہی رب ہے، اس نظامِ کائنات میں کسی دوسرے کی ربوبیت کے لیے گنجائش ہی کہاں ہوسکتی ہے جب کہ سورج کے طلوع وغروب پر وہ ذرّہ برابر اثر انداز نہیں ہوسکتا۔ نمرود آدمی ذی ہوش تھا۔ اس دلیل کو سن کر اس پر یہ حقیقت کھل گئی کہ فی الحقیقت اللہ کی سلطنت میں اس کا دعوائے ربوبیت بجز ایک زعمِ باطل کے اور کچھ نہیں ہے، اسی لیے وہ دم بخود ہوکر رہ گیا، مگر نفس پرستی اور شخصی وخاندانی اغراض کی بندگی ایسی دامن گیر ہوئی کہ حق کے ظہور کے باوجود وہ خود مختارانہ حکم رانی کے منصب سے اتر کر اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت پر آمادہ نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اس گفتگو کو نقل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (مگر اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا) یعنی اس ظہورِ حق کے بعد جو رویہ اسے اختیار کرنا چاہیے تھا اسے اختیار کرنے کے لیے جب وہ تیار نہ ہوا اور اس نے غاصبانہ فرماں روائی کرکے دنیا پر اور خود اپنے نفس پر ظلم کرنا ہی پسند کیا تو اللہ نے بھی اسے ہدایت کی روشنی عطا نہ کی، کیوں کہ اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ جو خود ہدایت کا طالب نہ ہو اس پر زبردستی اپنی ہدایت مسلّط کردے۔

قومِ لُوطؑ

قومِ ابراہیمؑ کے بعد ہمارے سامنے وہ قوم آتی ہے جس کی اصلاح پر حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے حضرت لوطؑ مامور کیے گئے تھے۔ اس قوم کے متعلق بھی قرآن سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ تو اللہ کے وُجود کی منکر تھی نہ اس بات کی منکر تھی کہ اللہ خالق اور رب بمعنی اول ودوم ہے۔ البتہ اسے انکار اس سے تھا کہ اللہ ہی کو تیسرے، چوتھے اور پانچویں معنی میں بھی رب مانے اور اس کے معتمد علیہ نمایندے کی حیثیت سے رسول کے اقتدار کو تسلیم کرے وہ چاہتی تھی کہ اپنی خواہشِ نفس

کے مطابق خود جس طرح چاہے کام کرے۔ یہی اس کا اصلی جرم تھا اور اسی بنا پر وہ عذاب میں مبتلا ہوئی۔ قرآن کی حسبِ ذیل تصریحات اس پر شاہد ہیں:

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ وَمَاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ۝ (الشعرا:۱۶۱۔۱۶۵)

"جب ان کے بھائی لوط علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تم تقویٰ اختیار کرو، دیکھو میں تمھارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ لہٰذا اللہ کے غضب سے بچو اور میری اطاعت کرو۔ اس کام پر میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، میرا معاوضہ تو صرف رب العٰلمین کے ذمہ ہے۔ کیا دنیا کے لوگوں میں سے تم لڑکوں کی طرف جاتے ہو اور تمھارے رب نے تمھارے لیے جو بیویاں پیدا کی ہیں انھیں چھوڑ دیتے ہو؟ تم بڑے ہی حد سے گزرنے والے لوگ ہو۔"

ظاہر ہے کہ یہ خطاب ایسے ہی لوگوں سے ہوسکتا تھا جو اللہ کے وجود اور اس کے خالق اور پروردگار ہونے کے منکر نہ ہوں۔ چنانچہ جواب میں وہ بھی یہ نہیں کہتے کہ اللہ کیا چیز ہے؟ یا وہ پیدا کرنے والا کون ہوتا ہے؟ یا وہ کہاں سے ہمارا رب ہوگیا؟ بلکہ کہتے ہیں کہ:

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِیْنَ ۝ (الشعرا:۱۶۷)

"اے لوطؑ! اگر تم اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو ملک سے نکال باہر کیے جاؤ گے"

دوسری جگہ اس واقعہ کو یوں فرمایا گیا ہے:

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۙ۬ وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ O (العنکبوت: ۲۸/۲۹)

''اور ہم نے لوط کو بھیجا۔ جب اس نے قوم سے کہا کہ تم لوگ وہ فعلِ شنیع کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہ کیا تھا، کیا تم مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو، راستوں پر ڈاکے مارتے ہو، اور اپنی مجلسوں میں علانیہ ایک دوسرے کے سامنے بدکاریاں کرتے ہو؟ تو اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ لے آؤ ہم پر اللہ کا عذاب اگر تم سچے ہو۔''

کیا یہ جواب کسی منکرِ خدا قوم کا ہو سکتا تھا؟ پس معلوم ہوا کہ ان کا اصلی جُرم انکارِ الوہیّت و ربوبیّت نہ تھا، بلکہ یہ تھا کہ وہ فوق الفطری معنی میں اللہ کو الٰہ اور رب مانتے تھے۔ لیکن اپنے اخلاق، تمدن اور معاشرت میں اللہ کی اطاعت اور اس کے قانون کی پیروی کرنے سے انکار کرتے تھے اور اس کے رسول کی ہدایت پر چلنے کے لیے تیار نہ تھے۔

قومِ شعیبؑ

اس کے بعد اہلِ مدین اور اصحاب الایکہ کو لیجیے جن میں حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ ان لوگوں کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ یہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد سے تھے۔ اس لیے یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ وہ اللہ کے وجود اور اس کے الٰہ اور رب ہونے کے قائل تھے یا نہ تھے۔ ان کی حیثیت دراصل ایک ایسی قوم کی تھی جس کی ابتدا اسلام سے ہوئی اور بعد میں وہ عقائد و اعمال کی خرابیوں میں مبتلا ہو کر بگڑتی چلی گئی۔ بلکہ قرآن سے تو کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ مومن ہونے کے بھی مدعی تھے۔ چنانچہ بار بار حضرت شعیبؑ ان سے فرماتے ہیں کہ ''اگر تم مومن ہو'' تو تمھیں یہ کرنا چاہیے۔ حضرت شعیبؑ کی ساری تقریروں اور ان کے جوابات کو دیکھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسی قوم تھی جو اللہ کو مانتی تھی۔ اسے معبود اور پروردگار بھی تسلیم کرتی تھی، مگر دو طرح کی گم راہیوں میں مبتلا ہو گئی تھی۔ ایک یہ کہ وہ فوق الفطری معنی میں اللہ کے سوا دوسروں کو بھی الٰہ اور رب سمجھنے لگی تھی، اس لیے اس کی عبادت صرف اللہ کے لیے مختص نہ رہی تھی۔ دوسرے یہ کہ اس کے نزدیک اللہ کی ربوبیت کو انسان کے اخلاق، معاشرت، معیشت اور تمدن و سیاست سے کوئی سروکار نہ تھا، اس بنا پر وہ کہتی تھی کہ اپنی تمدنی زندگی میں ہم مختار ہیں، اپنے معاملات کو جس

طرح چاہیں چلائیں۔

قرآن کی حسبِ ذیل آیات ہمارے اس بیان کی تصدیق کرتی ہیں:

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًاط قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَالَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗط قَدْ جَآءَتْکُمْ بَیِّنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَھُمْ وَلَاتُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِھَاط ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَo وَاِنْ کَانَ طَآئِفَۃٌ مِّنْکُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْٓ اُرْسِلْتُ بِہٖ وَطَآئِفَۃٌ لَّمْ یُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰی یَحْکُمَ اللّٰہُ بَیْنَنَا وَھُوَ خَیْرُ الْحٰکِمِیْنَo (الاعراف:۸۵۔۸۷)

''اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔ اس نے کہا، اے برادرانِ قوم! اللہ کی بندگی کرو کہ اس کے سوا تمھارا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس روشن ہدایت آ چکی ہے۔ پس تم ناپ تول ٹھیک کرو، لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دیا کرو، اور زمین میں فساد نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح کی جا چکی تھی۔ اسی میں تمھاری بھلائی ہے اگر تم مومن ہو...... اگر تم میں سے ایک گروہ اس ہدایت پر ''جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں'' ایمان لاتا ہے اور دُوسرا ایمان نہیں لاتا تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔''

وَیٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَھُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَo بَقِیَّتُ اللّٰہِ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ وَمَآ اَنَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍo قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَایَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْاَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُاط اِنَّکَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُo (ہود:۸۵۔۸۷)

''اے برادرانِ قوم! پیمانے اور ترازو انصاف کے ساتھ پورے پورے ناپو اور تولو، لوگوں کو ان چیزوں میں گھاٹا نہ دو، اور زمین میں فساد نہ برپا کرتے

پھرو، اللہ کی عنایت سے کاروبار میں جو بچت ہو وہی تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم مومن ہو۔ اور میں تمھارے اوپر کوئی نگاہ بان نہیں ہوں۔ انھوں نے جواب دیا اے شعیب! کیا تمھاری نماز تمھیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا سے ہوتی چلی آرہی ہے، یا یہ کہ ہم اپنے مال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرّف کرنا ترک کردیں؟ تم ہی تو ایک بردبار اور راست باز رہ گئے ہو!''

آخری خط کشیدہ الفاظ خصوصیت کے ساتھ اس بات کو واضح کر دیتے ہیں کہ ربوبیت والوہیّت کے بارے میں ان کی اصل گم راہی کیا تھی۔

فرعون اور آلِ فرعون

اب ہمیں فرعون اور اس کی قوم کو دیکھنا چاہیے جس کے باب میں نمرود اور اس کی قوم سے بھی زیادہ غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ فرعون نہ صرف خدا کی ہستی کا منکر تھا بلکہ خود خدا ہونے کا مدعی تھا۔ یعنی اس کا دماغ اتنا خراب ہو گیا تھا کہ دنیا کے سامنے کھل کھلا یہ دعویٰ کرتا تھا کہ میں خالقِ ارض وسما ہوں، اور اس کی قوم اتنی پاگل تھی کہ اس کے دعوے پر ایمان لاتی تھی۔ حالانکہ قرآن اور تاریخ کی شہادت سے اصل حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ الوہیّت وربوبیت کے باب میں اس کی گم راہی نمرود کی گم راہی سے اور اس کی قوم کی گم راہی قومِ نمرود کی گم راہی سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔ فرق جو کچھ تھا وہ صرف اس بنا پر تھا کہ یہاں سیاسی اسباب سے بنی اسرائیل کے ساتھ ایک قوم پرستانہ ضد اور متعصّبانہ ہٹ دھرمی پیدا ہوگئی تھی، اس لیے محض عناد کی بنا پر اللہ کو الٰہ اور رب ماننے سے انکار کیا جاتا تھا اگرچہ دلوں میں اس کا اعتراف چھپا ہوا تھا۔ جیسا کہ آج کل بھی اکثر دہریوں کا حال ہے۔

اصل واقعات یہ ہیں کہ حضرت یوسفؑ کو جب مصر میں اقتدار حاصل ہوا تو انھوں اپنی پوری قوت اسلام کی تعلیم پھیلانے میں صرف کردی۔ اور سرزمینِ مصر پر اتنا گہرا نقش مرتسم کیا کہ صدیوں تک کسی کے مٹائے نہ مٹ سکا۔ اُس وقت چاہے تمام اہل مصر نے دینِ حق قبول نہ کرلیا ہو۔ مگر یہ ناممکن تھا کہ مصر میں کوئی شخص اللہ سے ناواقف رہ گیا ہو اور یہ نہ جان گیا ہو کہ وہی خالقِ ارض وسما

ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان کی تعلیمات کا کم از کم اتنا اثر ہر مصری پر ضرور ہو گیا تھا کہ وہ فوق الفطری معنوں میں اللہ کو الٰہ الالٰہ اور رب الارباب تسلیم کرتا تھا اور کوئی مصری اللہ کی الوہیّت کا منکر نہ رہا تھا۔ البتہ جو ان میں کفر پر قائم رہ گئے تھے وہ الوہیت و ربوبیت میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے تھے۔ یہ اثرات حضرت موسیٰ کی بعثت کے وقت تک باقی تھے[1]۔ چنانچہ اس کا صریح ثبوت وہ تقریر ہے جو فرعون کے دربار میں ایک قبطی سردار نے کی تھی۔ جب فرعون نے حضرت موسیٰ کے قتل کا ارادہ ظاہر کیا تو اس کے دربار کا یہ امیر جو مسلمان ہو چکا تھا مگر اپنا اسلام چھپائے تھا، بے قرار ہو کر بول اٹھا:

أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَّقُولَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ط وَإِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ج وَإِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ○ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْ بَأْسِ اللّٰهِ إِنْ جَآءَنَا ط يٰقَوْمِ إِنِّيْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ ○ لا مِثْلَ دَأْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ط وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ط حَتّٰى إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ط وَيٰقَوْمِ مَا لِيْ أَدْعُوْكُمْ إِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْ إِلَى النَّارِ ○ تَدْعُوْنَنِيْ لِأَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَأُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَّأَنَا أَدْعُوْكُمْ إِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ○ (المومن: ۲۸ تا ۳۱۔ ۳۴، ۴۱ تا ۴۲)

''کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ حالانکہ وہ تمھارے رب کی طرف سے تمھارے سامنے کھلی کھلی نشانیاں لایا

---

[1] اگر توراۃ کے تاریخی بیان پر اعتماد کیا جائے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مصر کی آبادی کا تقریباً پانچواں حصہ مسلمان ہو چکا تھا۔ توراۃ میں بنی اسرائیل کی جو مردم شماری درج کی گئی ہے اس کی رُو سے وہ لوگ جو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ مصر سے نکلے تھے تقریباً ۲۰ لاکھ تھے۔ اور مصر کی آبادی اس زمانہ میں ایک کروڑ سے زیادہ نہ ہوگی۔ توراۃ میں ان سب لوگوں کو بنی اسرائیل کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے لیکن کسی حساب سے یہ ممکن نظر نہیں آتا کہ حضرت یعقوبؑ کے ۱۲ بیٹوں کی اولاد ۵ سو سال کے اندر بڑھ کر ۲۰ لاکھ ہو گئی ہو۔ لہٰذا قیاس یہی چاہتا ہے کہ مصر کے لوگوں میں سے ایک بہت بڑی تعداد مسلمان ہو کر بنی اسرائیل میں شامل ہو گئی ہو گی اور ہجرت کے موقع پر ان مصری مسلمانوں نے بھی اسرائیلی مسلمانوں کا ساتھ دیا ہوگا، اس سے اس تبلیغی کام کا اندازہ ہو سکتا ہے جو حضرت یوسفؑ اور ان کے خلفا نے مصر میں کیا۔

ہے۔ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اس پر ضرور پڑے گا۔ لیکن اگر وہ سچا ہے تو جس انجام سے وہ تمھیں ڈرا رہا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ تو تم پر نازل ہو کے رہے گا۔ یقین جانو کہ اللہ کسی حد سے بڑھے ہوئے جھوٹے آدمی کو فلاح کا راستہ نہیں دکھاتا۔ اے برادرانِ قوم! آج تمھارے ہاتھ میں حکومت ہے، زمین میں تم غالب ہو، مگر کل اللہ کا عذاب ہم پر آ جائے تو کون ہماری مدد کرے گا؟...... اے برادرانِ قوم! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم پر وہ دن نہ آ جائے جو بڑی بڑی قوموں پر آ چکا ہے، اور وہی انجام تمھارا نہ ہو، جو قومِ نوح اور عاد اور ثمود اور بعد کی قوموں کا ہوا...... اس سے پہلے یوسف (علیہ السلام) تمھارے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے تو تم اس چیز کے متعلق شک میں پڑے رہے جسے وہ لائے تھے۔ پھر جب ان کا انتقال ہو گیا تو تم نے کہا کہ اللہ ان کے بعد کوئی رسول نہ بھیجے گا...... اور اے برادرانِ قوم! یہ عجیب معاملہ ہے کہ مَیں تمھیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آگ کی طرف دعوت دیتے ہو تم مجھے اس طرف بلاتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ انھیں شریک ٹھیراؤں جن کے شریک ہونے پر میرے پاس کوئی علمی ثبوت نہیں ہے، اور میں تمھیں اس کی طرف بلاتا ہوں جو سب سے زبردست ہے اور بخشنے والا ہے۔"

یہ پوری تقریر اس بات پر شاہد ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی عظیم الشان شخصیت کا اثر کئی صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اس وقت تک باقی تھا اور اس جلیل القدر نبی کی تعلیم سے متاثر ہونے کے باعث یہ قوم جہالت کے اس مرتبے پر نہ تھی کہ اللہ کی ہستی سے بالکل ہی ناواقف ہوتی یا یہ نہ جانتی کہ اللہ رب اور الٰہ ہے اور قوائے فطرت پر اس کا غلبہ وقہر قائم ہے اور اس کا غضب کوئی ڈرنے کی چیز ہے۔ اس کے آخری فقرے سے یہ بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم اللہ کی الوہیّت اور ربوبیت کی قطعی منکر نہ تھی بلکہ ان کی گم راہی وہی تھی جو دوسری قوموں کی بیان ہو چکی ہے۔ یعنی ان دونوں حیثیتوں میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھیرانا۔

شبہ جس وجہ سے واقع ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ فرعون حضرت موسیٰ کی زبان سے اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ

الْعٰلَمِيْنَ (ہم ربّ العٰلمین کے رسول ہیں) سن کر پوچھتا ہے وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (ربّ العٰلمین کیا چیز ہے؟) اپنے وزیر ہامان سے کہتا ہے کہ میرے لیے ایک اونچی عمارت بنا کہ میں موسیٰ کے الٰہ کو دیکھوں۔ حضرت موسیٰؑ کو دھمکی دیتا ہے کہ میرے سوا کسی اور کو تم نے الٰہ بنایا تو میں تمھیں قید کردوں گا۔ ملک بھر میں اعلان کرتا ہے کہ میں تمھارا رب اعلیٰ ہوں۔ اپنے درباریوں سے کہتا ہے کہ میں اپنے سوا تمھارے کسی الٰہ کو نہیں جانتا۔ اس قسم کے فقرات دیکھ کر لوگوں کو گمان ہوا ہے کہ شاید وہ اللہ کی ہستی ہی کا منکر تھا، رب العالمین کے تصور سے بالکل خالی الذہن تھا اور اپنے آپ ہی کو واحد معبود سمجھتا تھا۔ مگر اصل واقعہ یہ ہے کہ اس کی یہ تمام باتیں قوم پرستانہ ضد کی وجہ سے تھیں۔ حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں صرف یہی نہیں ہوا تھا کہ آں جناب کی زبردست شخصیت کے اثر سے اسلام کی تعلیمات مصر میں پھیل گئی تھیں، بلکہ حکومت میں جو اقتدار انھیں حاصل ہوا تھا ان کی بدولت بنی اسرائیل مصر میں بہت بااثر ہو گئے تھے۔ تین چار سو سال تک یہ اسرائیلی اقتدار مصر پر چھایا رہا۔ پھر وہاں اسرائیلیوں کے خلاف قوم پرستانہ جذبات پیدا ہونا شروع ہوئے۔ یہاں تک کہ ان کے اقتدار کو الٹ پھینکا گیا اور ایک مصری قوم پرست خاندان فرماں روا ہو گیا۔ ان نئے فرماں رواؤں نے محض اسرائیلیوں کو دبانے اور کچلنے ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ دَورِ یوسفی کے ایک ایک اثر کو مٹانے اور اپنے قدیم جاہلی مذہب کی روایات کو تازہ کرنے کی کوشش کی۔ اس حالت میں جب حضرت موسیٰؑ تشریف لائے تو ان لوگوں کو خطرہ ہوا کہ کہیں اقتدار پھر ہمارے ہاتھ سے نکل کر اسرائیلیوں کے ہاتھ میں نہ چلا جائے۔ یہی عناد اور ہٹ دھرمی کا جذبہ تھا جس کی بنا پر فرعون چندرا چندرا کر حضرت موسیٰؑ سے پوچھتا تھا کہ رب العٰلمین کیا ہوتا ہے؟ میرے سوا اور الٰہ کون ہوسکتا ہے؟ دراصل وہ رب العٰلمین سے بے خبر نہ تھا۔ اس کی اور اس کے اہل دربار کی گفتگوئیں اور حضرت موسیٰؑ کی جو تقریریں قرآن میں آئی ہیں، ان سب سے یہ حقیقت بیّن طور پر ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً ایک موقع پر فرعون اپنی قوم کو یہ یقین دلانے کے لیے کہ موسیٰؑ خدا کے پیغمبر نہیں ہیں، کہتا ہے:

فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْجَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ○

(الزخرف: ۵۳)

”تو کیوں نہ اس کے لیے سونے کے کنگن اتارے گئے؟ یا فرشتے صف بستہ ہو کر اس کے ساتھ کیوں نہ آئے؟“

کیا یہ بات ایک ایسا شخص کہہ سکتا تھا جو اللہ اور ملائکہ کے تصور سے خالی الذہن ہوتا؟ ایک اور موقع پر فرعون اور حضرت موسیٰ کے درمیان یہ گفتگو ہوتی ہے:

......فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا٥ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا٥ (بنی اسرائیل:۱۰۱-۱۰۲)

''پس فرعون نے اس سے کہا کہ اے موسیٰ میں تو سمجھتا ہوں کہ تیری عقل خبط ہو گئی ہے۔ موسیٰ نے جواب دیا تو خوب جانتا ہے کہ یہ بصیرت افروز نشانیاں ربِ زمین و آسمان کے سوا کسی اور کی نازل کی ہوئی نہیں ہیں۔ مگر میرا خیال ہے کہ اے فرعون تیری شامت ہی آ گئی ہے۔''

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرعونیوں کی قلبی حالت اس طرح بیان فرماتا ہے:

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ٥ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّاط (النمل:۱۳-۱۴)

''جب ہماری نشانیاں ان کے سامنے علانیہ نمایاں ہو گئیں تو انھوں نے کہا یہ صریح جادو ہے۔ ان کے دل اندر سے قائل ہو چکے تھے مگر انھوں نے محض شرارت اور تکبر و سرکشی کی بِنا پر ماننے سے انکار کیا۔''

ایک اور مجلس کا نقشہ قرآن یوں کھینچتا ہے:

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى٥ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى٥ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى٥ (طٰہٰ-۶۱-۶۳)

''موسیٰ نے ان سے کہا تم پر افسوس ہے۔ اللہ پر جھوٹ افترا نہ باندھو ورنہ وہ سخت عذاب سے تمھیں تباہ کر دے گا۔ اور افترا جس نے بھی باندھا ہے وہ نامراد ہو کر ہی رہا ہے۔ یہ سن کر لوگ آپس میں ردوکد کرنے لگے اور خفیہ مشورہ ہوا جس میں کہنے والوں نے کہا یہ دونوں (موسیٰ و ہارون) تو جادوگر ہیں۔

چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور سے تمھیں تمھاری سرزمین سے بے دخل کر
دیں اور تمھارے مثالی (آئیڈل) طریقِ زندگی کو مٹا دیں۔"

ظاہر ہے کہ اللہ کے عذاب سے ڈرانے اور افترا کے انجام سے خبردار کرنے پر ان کے درمیان ردّوکد اسی لیے شروع ہو گئی تھی کہ ان لوگوں کے دلوں میں کہیں تھوڑا بہت اثر خدا کی عظمت اور اس کے خوف کا موجود تھا۔ لیکن جب ان کے قوم پرست حکم ران طبقہ نے سیاسی انقلاب کا خطرہ پیش کیا، اور کہا کہ موسیٰؑ اور ہارونؑ کی بات ماننے کا انجام یہ ہوگا کہ مصریت پھر اسرائیلیّت سے مغلوب ہو جائے گی تو ان کے دل پھر سخت ہو گئے اور سب نے بالاتفاق رسولوں کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔

اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد ہم بآسانی یہ تحقیق کر سکتے ہیں کہ حضرت موسیٰ اور فرعون کے درمیان اصل جھگڑا کس بات پر تھا، فرعون اور اس کی قوم کی حقیقی گم راہی کس نوعیت کی تھی، اور فرعون کس معنی میں الوہیت و ربوبیت کا مدعی تھا۔ اس غرض کے لیے قرآن کی حسب ذیل آیات ترتیب وار ملاحظہ کیجیے۔

۱۔ فرعون کے درباریوں میں سے جو لوگ حضرت موسیٰؑ کی دعوت کا استحصال کرنے پر زور دیتے تھے وہ ایک موقع پر فرعون کو خطاب کر کے کہتے ہیں:

اَتَذَرُ مُوْسٰی وَقَوْمَهٗ لِیُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَیَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ط (الاعراف: ۱۲۷)

"کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ دیں گے کہ وہ ملک میں فساد پھیلائے اور آپ کے الٰہوں کو چھوڑ دے"۔

دوسری طرف انھی درباریوں میں سے جو شخص حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آیا تھا وہ ان لوگوں کو خطاب کر کے کہتا ہے۔"

تَدْعُوْنَنِیْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ۔ (المومن: ۴۲)

"تم مجھے اس طرف بلاتے ہو کہ مَیں اللہ سے کفر کروں اور اس کے ساتھ انھیں شریک کروں جن کے شریک ہونے کے لیے میرے پاس کوئی علمی ثبوت نہیں"

ان دونوں آیتوں کو جب ہم ان معلومات کے ساتھ ملا کر دیکھتے ہیں جو تاریخ و آثارِ قدیمہ کے ذریعہ سے ہمیں اس زمانہ کے اہلِ مصر کے متعلق حاصل ہوئی ہیں تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ

فرعون خود بھی اور اس کی قوم کے لوگ بھی ربوبیت کے پہلے اور دوسرے معنی کے اعتبار سے بعض دیوتاؤں کو خدائی میں شریک ٹھہراتے تھے اوران کی عبادت کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اگر فرعون فوق الفطری معنوں میں خدا ہونے کا مدعی ہوتا، یعنی اگر اس کا دعوٰی یہی ہوتا کہ سلسلۂ اسباب پر وہ خود حکم ران ہے اور اس کے سوا زمین وآسمان کا الٰہ ورب کوئی نہیں ہے، تو وہ دوسرے الٰہوں کی پرستش نہ کرتا[1]۔

۲۔ فرعون کے یہ الفاظ جو قرآن میں نقل کیے گئے ہیں کہ:

يَآيُّهَا الْمَلَاُ مَاعَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ج (القصص:۳۸)

''لوگو! مَیں تو اپنے سوا کسی الٰہ کو جانتا نہیں ہوں۔''

لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ o (الشعرا:۲۹)

''اے موسیٰ! اگر میرے سوا تو نے کسی کو الٰہ بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں شامل کردوں گا۔''

ان الفاظ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فرعون اپنے سوا دوسرے تمام الٰہوں کی نفی کرتا تھا، بلکہ اس کی اصل غرض حضرت موسیٰ کی دعوت کو رد کرنا تھا۔ چوں کہ حضرت موسیٰ ایک ایسے الٰہ کی طرف بلا رہے تھے جو صرف فوق الفطری معنی ہی میں معبود نہیں ہے بلکہ سیاسی وتمدنی معنی میں امر ونہی کا مالک اور اقتدارِ اعلیٰ کا حامل بھی ہے، اس لیے اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تمھارا ایسا الٰہ تو میرے سوا کوئی نہیں ہے، اور حضرت موسیٰ کو دھمکی دی کہ اس معنی میں میرے سوا کسی کو الٰہ بناؤ گے تو جیل کی ہوا کھاؤ گے۔

نیز قرآن کی ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، اور تاریخ وآثارِ قدیمہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ فراعنۂ مصر محض حاکمیت مطلقہ (Absolute Sovereignty) ہی کے مدعی نہ

---

[1] بعض مفسرین نے محض اس مفروضہ پر کہ فرعون خود اللہ العالمین ہونے کا دعویٰ رکھتا تھا، سورۂ اعراف کی مذکورہ متن آیت میں اِلٰهَتَكَ کی قرأت اختیار کی ہے اور الٰهة بمعنی عبادت لیا ہے۔ یعنی ان کی قرأت کے مطابق آیت کا ترجمہ یوں ہوگا کہ '' آپ کو اور آپ کی عبادت کو چھوڑ دے۔'' لیکن اول تو یہ قرأت شاذ ہے اور معروف قرأت کے خلاف ہے، دوسرے وہ مفروضہ ہی سرے سے بے بنیاد ہے جس پر یہ قرأت اختیار کی گئی ہے۔ تیسرے الٰهة کے معنی عبادت کے علاوہ معبودہ یا دیوی کے بھی ہو سکتے ہیں۔ سورج کے لیے عرب جاہلیت میں الٰهة ہی کا لفظ استعمال ہوتا تھا اور یہ معلوم ہے کہ بالعموم مصریوں کا صنمِ اکبر سورج تھا۔ سورج کو مصری زبان میں ''رَع'' کہتے تھے اور فرعون کا مفہوم ''رَع کی اولاد'' یا رَع کا اوتار'' تھا پس درحقیقت فرعون جس چیز کا مدعی تھا وہ صرف یہ تھی کہ میں سورج دیوتا کا جسمانی ظہور ہوں۔

تھے بلکہ دیوتاؤں سے اپنا رشتہ جوڑ کر ایک طرح کی قدوسیت کا بھی دعوٰی رکھتے تھے تاکہ رعایا کے قلب و روح پر ان کی گرفت خوب مضبوط ہو جائے۔ اس معاملہ میں تنہا فراعنہ ہی منفرد نہیں ہیں، دنیا کے اکثر ملکوں میں شاہی خاندانوں نے سیاسی حاکمیت کے علاوہ فوق الفطری الوہیّت و ربوبیّت میں بھی کم و بیش حصہ بٹانے کی کوشش کی ہے اور رعیّت کے لیے لازم کیا ہے کہ وہ ان کے آگے عبودیّت کے کچھ نہ کچھ مراسم ادا کرے۔ لیکن دراصل یہ محض ایک ضمنی چیز ہے۔ اصل مقصد سیاسی حاکمیت کا استحکام ہوتا ہے اور اس کے لیے فوق الفطری الوہیّت کا دعوٰی محض ایک تدبیر کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی لیے مصر میں اور دوسرے جاہلیت پرست ملکوں میں بھی ہمیشہ سیاسی زوال کے ساتھ ہی شاہی خاندانوں کی الوہیّت بھی ختم ہوتی رہی ہے۔ اور تخت جس جس کے پاس گیا ہے الوہیّت بھی اسی کی طرف منتقل ہوتی چلی گئی ہے۔

۳۔ فرعون کا اصلی دعوٰی فوق الفطری خدائی کا نہیں بلکہ سیاسی خدائی کا تھا۔ وہ ربوبیّت کے تیسرے چوتھے اور پانچویں معنی کے لحاظ سے کہتا تھا کہ مَیں سرزمینِ مصر اور اس کے باشندوں کا ربِّ اعلٰی (Over-Lord) ہوں۔ اس ملک اور اس کے تمام وسائل و ذرائع کا مالک میں ہوں۔ یہاں کی حاکمیتِ مطلقہ کا حق مجھی کو پہنچتا ہے یہاں کے تمدّن و اجتماع کی اساس میری ہی مرکزی شخصیت ہے۔ یہاں قانون میرے سوا کسی اور کا نہ چلے گا۔ قرآن کے الفاظ میں اس کے دعوٰی کی بنیاد یہ تھی:

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○ (الزخرف۔۵۱)

”اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کی کہ اے قوم! کیا میں ملک مصر کا مالک نہیں ہوں؟ اور یہ نہریں میرے ماتحت نہیں چل رہی ہیں؟ کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟“

یہ وہی بنیاد تھی جس پر نمرود کا دعوائے ربوبیت مبنی تھا (حَآجَّ اِبْرٰهِمَ فِیْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ) اور اسی بنیاد پر حضرت یوسفؑ کا ہم عصر بادشاہ بھی اپنے اہلِ ملک کا رب بنا ہوا تھا۔

۴۔ حضرت موسٰی کی دعوت جس پر فرعون اور آلِ فرعون سے ان کا جھگڑا تھا، دراصل یہ تھی کہ ربّ العٰلمین کے سوا کسی معنی میں بھی کوئی دوسرا الٰہ اور رب نہیں ہے۔ وہی تنہا فوق الفطری معنی میں بھی الٰہ اور رب ہے، اور سیاسی و اجتماعی معنی میں بھی۔ پرستش بھی اسی کی ہو، بندگی و اطاعت بھی

اسی کی ، اور پیروی قانون بھی اسی کی۔ نیز یہ کہ صریح نشانیوں کے ساتھ اس نے مجھے اپنا نمایندہ مقرر کیا ہے، میرے ذریعہ سے وہ اپنے امر و نہی کے احکام دے گا، لہٰذا اس کے بندوں کی عنانِ اقتدار تمھارے ہاتھ میں نہیں، میرے ہاتھ میں ہونی چاہیے۔ اسی بنا پر فرعون اور اس کے اعیانِ حکومت بار بار کہتے تھے کہ یہ دونوں بھائی ہمیں زمین سے بے دخل کر کے خود قابض ہونا چاہتے ہیں اور ہمارے ملک کے نظامِ مذہب وتمدن کو مٹا کر اپنا نظام قائم کرنے کے درپے ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍO لا اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَائِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍO (ہود۔۹۶۔۹۷)

''ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات اور صریح نشانِ ماموریت کے ساتھ فرعون اور اس کے سردارانِ قوم کی طرف بھیجا تھا، مگر ان لوگوں نے فرعون کے امر کی پیروی کی۔ حالانکہ فرعون کا امر راستی پر نہ تھا۔''

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌO لا اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ط اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌO لا وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ج اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍO (الدّخان:۱۷۔۱۹)

''اور ہم نے ان سے پہلے فرعون کی قوم کو آزمائش میں ڈالا تھا۔ ایک معزز رسول ان کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کرو۔ مَیں تمھارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ اور اللہ کے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو، مَیں تمھارے سامنے صریح نشانِ ماموریت پیش کرتا ہوں۔''

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۵ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًاO فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًاO (المزمل:۱۵۔۱۶)

''(اے اہلِ مکہ!) ہم نے تمھاری طرف ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہی دینے والا ہے، اسی طرح جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔ پھر فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے سختی کے ساتھ پکڑا۔''

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰىO قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰىO (طٰہٰ:۴۹۔۵۰)

''فرعون نے کہا اے موسیٰ (اگر تم نہ دیوتاؤں کو رب مانتے ہو نہ شاہی خاندان کو) تو آخر تمھارا رب کون ہے؟ موسیٰؑ نے جواب دیا، ہمارا رب وہی ہے جس نے ہر چیز کو اس کی مخصوص ساخت عطا کی، پھر اسے اس کے کام کرنے کا طریقہ بتایا۔''

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَارَبُّ الْعٰلَمِيْنَ o قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ط اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ o قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ o قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ o قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ o قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ط اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ o قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ o (الشعرا:۲۳-۲۹)

''فرعون نے کہا اور یہ رب العٰلمین کیا ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا زمین وآسمان اور ہر اس چیز کا ربّ جو ان کے درمیان ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو۔ فرعون اپنے گرد وپیش کے لوگوں سے بولا، سنتے ہو؟ موسیٰؑ نے کہا تمھارا رب بھی اور تمھارے آباؤ اجداد کا رب بھی۔ فرعون بولا تمھارے یہ رسول صاحب جو تمھاری طرف بھیجے گئے ہیں، بالکل ہی پاگل ہیں۔ موسیٰؑ نے کہا مشرق اور مغرب اور ہر اس چیز کا رب جو ان کے درمیان ہے اگر تم کچھ عقل رکھتے ہو۔ اس پر فرعون بول اٹھا کہ اگر میرے سوا تو نے کسی اور کو الٰہ بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں شامل کر دوں گا۔''

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى o (طٰہٰ:۵۷)

''فرعون نے کہا اے موسیٰ! کیا تو اس لیے آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہمیں ہماری زمین سے بے دخل کر دے؟''

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ o (المومن:۲۶)

''اور فرعون نے کہا چھوڑو مجھے کہ میں موسیٰؑ کو قتل کر دوں اور وہ اپنے رب کو مدد

کے لیے پکار دیکھے۔ مجھے خطرہ ہے کہ وہ تمھارے دین کو بدل ڈالے گا یا ملک میں فساد برپا کرے گا۔"

قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ۝ (طٰہٰ:۶۳)

"انھوں نے کہا کہ یہ دونوں تو جادوگر ہیں۔ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمھاری زمین سے بے دخل کریں اور تمھارے مثالی طریقِ زندگی کو مٹا دیں"

ان تمام آیات کو ترتیب وار دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ربوبیت کے باب میں وہی ایک گم راہی جو ابتدا سے دنیا کی مختلف قوموں میں چلی آ رہی تھی ارضِ نیل میں بھی ساری ظلمت اسی کی تھی اور وہی ایک دعوت جو ابتدا سے تمام انبیا دیتے چلے آ رہے تھے، موسیٰ و ہارون علیہما السلام بھی اُسی کی طرف بلاتے تھے۔

یہود و نصاریٰ

قومِ فرعون کے بعد ہمارے سامنے بنی اسرائیل اور وہ دوسری قومیں آتی ہیں جنھوں نے یہودیّت اور عیسائیت اختیار کی۔ ان کے متعلق یہ تو گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ یہ لوگ اللہ کی ہستی کے منکر ہوں گے یا اسے الٰہ اور رب نہ مانتے ہوں گے۔ اس لیے خود قرآن نے ان کے اہلِ کتاب ہونے کی تصدیق کی ہے پھر سوال یہ ہے کہ ربوبیت کے باب میں ان کے عقیدے اور طرزِ عمل کی وہ کون سی خاص غلطی ہے؟ جس کی بنا پر قرآن نے ان لوگوں کو گم راہ قرار دیا ہے اس کا مجمل جواب خود قرآن ہی سے ملتا ہے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝

(المائدہ:۷۷)

"کہو اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو، اور ان قوموں کے فاسد خیالات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے گم راہ ہو چکی ہیں، جنھوں نے بہتوں کو گم راہی میں مبتلا کیا اور خود بھی راہِ راست سے بھٹک گئیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ یہودی اور عیسائی قوموں کی گم راہی بھی اصلاً اسی نوعیت کی ہے جس میں ان سے پہلے کی قومیں ابتدا سے مبتلا ہوتی چلی آئی ہیں۔ نیز اس سے یہ بھی پتا چل گیا کہ یہ گم راہی ان کے اندر غلو فی الدین کے راستہ سے آئی ہے۔ اب دیکھیے کہ اس اجمال کی تفصیل قرآن کس طرح کرتا ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرٰى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ط
(التوبہ:۳۰)

''یہودیوں نے کہا کہ عُزیر اللہ کا بیٹا ہے، اور نصارٰی نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے''

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ط وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۔ (المائدہ:۷۲)

''کفر کیا ان عیسائیوں نے جنھوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے۔ حالانکہ مسیح نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی۔''

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ط
(المائدہ:۷۳)

''کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا ایک ہے۔ حالانکہ ایک الٰہ کے سوا کوئی دوسرا الٰہ ہے ہی نہیں''

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ط (المائدہ:۱۱۶)

''اور جب اللہ پوچھے گا کہ اے مریم کے بیٹے عیسٰی! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو بھی الٰہ بنالو، تو وہ جواب میں عرض کریں گے کہ سبحان اللہ میری کیا مجال تھی کہ میں وہ بات کہتا کہ جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہ تھا۔''

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ○ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ط اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○

(آلِ عمران: ۷۹-۸۰)

''کسی انسان کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکم اور نبوت سے سرفراز کرے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، بلکہ وہ تو یہی کہے گا کہ ربّانی (خدا پرست) بنو۔ جس طرح تم خدا کی کتاب میں پڑھتے پڑھاتے ہو اور جس کے درس دیا کرتے ہو۔ اور نہ نبی کا یہ کام ہے کہ وہ تمھیں یہ حکم دے کہ ملائکہ اور پیغمبروں کو رب بنالو۔ کیا وہ تمھیں کفر کی تعلیم دے گا جب کہ تم مسلمان ہو چکے ہو۔''

ان آیات کی رُو سے اہل کتاب کی پہلی گم راہی یہ تھی کہ جو بزرگ ہستیاں ......انبیا، اولیا اور ملائکہ وغیرہ...... دینی حیثیت سے قدر و منزلت کی مستحق تھیں، انھیں انھوں نے ان کے حقیقی مرتبہ سے بڑھا کر خدائی کے مرتبہ میں پہنچا دیا، کاروبارِ خداوندی میں انھیں دخیل و شریک ٹھہرایا، ان کی پرستش کی، ان سے دعائیں مانگیں۔ انھیں فوق الفطری ربوبیت اور اُلوہیّت میں حصہ دار سمجھا، اور یہ گمان کیا کہ وہ بخشش اور مددگاری اور نگاہ بانی کے اختیارات رکھتی ہیں۔

اس کے بعد ان کی دوسری گم راہی یہ تھی کہ:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (التوبہ:۳۱)

''انھوں نے اللہ کے سوا اپنے علما اور مشائخ کو بھی اپنا رب بنالیا۔''

یعنی نظامِ دینی میں جن لوگوں کی حیثیت صرف یہ تھی کہ خدا کی شریعت کے احکام بتائیں اور خدا کی مرضی کے مطابق اخلاق کی اصلاح کریں، انھیں رفتہ رفتہ یہ حیثیت دے دی کہ باختیارِ خود جس چیز کو چاہیں حرام اور جسے چاہیں حلال ٹھہرا دیں اور کتابِ الٰہی کی سند کے بغیر جو حکم چاہیں دیں، جس چیز سے چاہیں منع کر دیں اور جو سنت چاہیں جاری کریں۔ اس طرح یہ لوگ انھی دو

عظیم الشان بنیادی گم راہیوں میں مبتلا ہو گئے جن میں قوم نوحؑ، قوم ابراہیمؑ، عاد، ثمود، اہلِ مدین اور دُوسری قومیں مبتلا ہوئی تھیں۔ ان کی طرح انھوں نے بھی فوق الطبعی ربوبیت میں فرشتوں اور بزرگوں کو اللہ کا شریک بنایا۔ اور انھی کی طرح انھوں نے تمدنی وسیاسی ربوبیت اللہ کے بجائے انسانوں کو دی اور اپنے تمدن، معاشرت، اخلاق اور سیاست کے اصول واحکام اللہ کی سند سے بے نیاز ہو کر انسانوں سے لینا شروع کر دیے حتّٰی کہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ۔ (النسا:۵۱)

''تم نے دیکھا ان لوگوں کو جنھیں کتاب اللہ کا ایک حصہ ملا ہے اور ان کی حالت یہ ہے کہ جبت اور طاغوت کو مان رہے ہیں۔''

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَاللّٰهِ ط مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ط اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ○ (المائدۃ:٦٠)

''کہو! مَیں تمھیں بتاؤں اللہ کے نزدیک فاسقین سے بھی زیادہ بدتر انجام کس کا ہے؟ وہ جن پر اللہ نے لعنت کی، جن پر اُس کا غضب ٹوٹا، جن میں بہت سے لوگ اس کے حکم سے بندر اور سؤر تک بنائے گئے اور انھوں نے طاغوت کی بندگی کی، وہ سب سے بدتر درجہ کے لوگ ہیں اور راہِ راست سے بہت زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔''

''جبت'' کا لفظ تمام اوہام وخرافات کے لیے جامع لفظ ہے جس میں جادو، ٹونے، ٹوٹکے، کہانت، فال گیری، سعد ونحس کے تصورات، غیر فطری تاثیرات، غرض جملہ اقسام کے توہمات شامل ہیں۔ اور ''طاغوت'' سے مراد ہر وہ شخص یا گروہ یا ادارہ ہے جس نے خدا کے مقابلہ میں سرکشی اختیار کی ہو، اور بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خداوندی کا علَم بلند کیا ہو۔ پس یہود ونصاریٰ جب مذکورہ بالا دو قسم کی گم راہیوں میں پڑ گئے تو پہلی قسم کی گم راہی کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ ہر قسم کے توہمات نے ان کے دلوں اور دماغوں پر قبضہ کر لیا، اور دوسری گم راہی نے انھیں علما ومشائخ اور زہاد وصوفیہ کی بندگی

سے بڑھا کر ان جباروں اور ظالموں کی بندگی و اطاعت تک پہنچا دیا جو کھلم کھلا خدا سے باغی تھے۔

مشرکینِ عرب

اب دیکھنا چاہیے کہ وہ عرب کے مشرکین جن کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، اور جو قرآن کے اوّلین مخاطب تھے، اس باب میں ان کی گم راہی کس نوعیت کی تھی؟ کیا وہ اللہ سے ناواقف تھے یا اس کی ہستی کے منکر تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے بھیجے گئے تھے کہ انھیں وجودِ باری کا معترف بنائیں؟ کیا وہ اللہ کو الٰہ اور رب نہیں مانتے تھے اور قرآن اس لیے نازل ہوا تھا کہ انھیں حق جلّ شانہٗ کی الٰہیّت و ربوبیت کا قائل کرے؟ کیا انھیں اللہ کی عبادت و پرستش سے انکار تھا؟ یا وہ اللہ کو دعائیں سننے والا اور حاجتیں پوری کرنے والا نہیں سمجھتے تھے؟ کیا ان کا خیال یہ تھا کہ لاتؔ اور مناتؔ اور عُزّیٰ اور ہُبَل اور دوسرے معبود ہی اصل میں کائنات کے خالق، مالک، رازق، اور مدبر و منتظم ہیں؟ یا وہ اپنے ان معبودوں کو قانون کا منبع اور اخلاق و تمدن کے مسائل میں ہدایت و راہ نُمائی کا سرچشمہ مانتے تھے؟ ان میں سے ایک ایک سوال کا جواب ہمیں قرآن سے نفی کی صورت میں ملتا ہے۔ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ عرب کے مشرکین نہ صرف یہ کہ اللہ کی ہستی کے قائل تھے، بلکہ اسے تمام کائنات کا اور خود اپنے معبودوں تک کا خالق، مالک اور خداوندِ اعلیٰ مانتے تھے اسے رَبّ اور الٰہ تسلیم کرتے تھے۔ مشکلات اور مصائب میں آخری اپیل وہ جس سرکار میں کرتے تھے وہ اللہ ہی کی سرکار تھی۔ انھیں الٰہ کی عبادت و پرستش سے بھی انکار نہ تھا۔ ان کا عقیدہ اپنے دیوتاؤں اور معبودوں کے بارے میں نہ تو یہ تھا کہ وہ ان کے اور کائنات کے خالق و رازق ہیں اور نہ یہ کہ یہ معبود زندگی کے تمدنی و اخلاقی مسائل میں ہدایت و راہ نُمائی کرتے ہیں۔ چنانچہ ذیل کی آیات اس پر شاہد ہیں:

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (المومنون:۸۴-۹۰)

''اے نبیؐ! ان سے کہو، زمین اور جو کچھ زمین میں ہے وہ کس کی مِلک ہے؟ بتاؤ اگر تم جانتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ اللہ کی ملک ہے۔ کہو پھر بھی تم نصیحت قبول نہیں کرتے؟ کہو، ساتوں آسمانوں اور عرشِ عظیم کا رب کون ہے؟ وہ کہیں گے اللہ۔ کہو پھر بھی تم نہیں ڈرتے؟ کہو ہر چیز کے شاہانہ اختیارات کس کے ہاتھ میں ہیں؟ اور وہ کون ہے جو پناہ دیتا ہے مگر اس کے مقابلہ میں پناہ دینے کی طاقت کسی میں نہیں بتاؤ اگر تم جانتے ہو؟ وہ کہیں گے یہ صفت اللہ ہی کی ہے۔ کہو پھر کہاں سے تمھیں دھوکا لگتا ہے؟ حق یہ ہے کہ ہم نے صداقت ان کے سامنے پیش کر دی ہے اور یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔''

هُوَالَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط حَتّٰى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ج وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ لا دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ج لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ o فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط (یونس:۲۲۔۲۳)

''وہ اللہ ہی ہے جو تمھیں خشکی اور تری میں چلاتا ہے حتّٰی کہ جس وقت تم کشتی میں سوار ہو کر بادِ موافق پر فرحاں وشاداں سفر کر رہے ہوتے ہو اور پھر یکایک بادِ مخالف کا زور ہوتا ہے اور ہر طرف سے موجوں کے تھپیڑے لگتے ہیں اور تم سمجھتے ہو کہ طوفان میں گھر گئے اُس وقت سب اللہ ہی کو پکارتے ہیں اور اسی کے لیے اپنے دین کو خالص کر کے دعائیں مانگتے ہیں کہ اگر تو نے اس بلا سے ہمیں بچا لیا تو ہم تیرے شکر گزار بندے بنیں گے، مگر جب وہ انھیں بچا لیتا ہے تو پھر وہی لوگ حق سے منحرف ہو کر زمین میں بغاوت کرنے لگتے ہیں۔''

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ج فَلَمَّا نَجّٰكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ط وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا o (بنی اسرائیل:۶۷)

''جب سمندر میں تم پر کوئی آفت آتی ہے تو اس ایک رب کے سوا اور جن جن کو تم پکارتے ہو وہ سب گم ہو جاتے ہیں مگر جب وہ تمھیں بچا کر خشکی پر پہنچا دیتا

ہےتو تم اس سے پھر جاتے ہو۔ سچ یہ ہے کہ انسان بڑا ناشکرا ہے۔''

اپنے معبودوں کے متعلق ان کے جو خیالات تھے وہ خود انھی کے الفاظ میں قران اس طرح نقل کرتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۔ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ط (الزمر:۳)

''جن لوگوں نے اللہ کے سوا دُوسرے ولی اور کارساز ٹھہرا رکھے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کردیں''

وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ط (یونس:۱۸)

''اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے حضور میں ہمارے سفارشی ہیں۔''

پھر وہ اپنے معبودوں کے بارے میں اس قسم کا بھی کوئی گمان نہ رکھتے تھے کہ وہ مسائل زندگی میں ہدایت بخشنے والے ہیں۔ چنانچہ سورۂ یونس میں اللہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ:

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۔ (یونس:۳۵)

''ان سے پوچھو، تمھارے ٹھہرائے ہوئے ان شریکوں میں سے کوئی حق کی طرف راہ نُمائی کرنے والا بھی ہے۔''

لیکن یہ سوال سن کر ان پر سکوت چھا جاتا ہے ان میں سے کوئی یہ جواب نہیں دیتا کہ ہاں لات یا منات یا عزّٰی یا دوسرے معبود ہمیں فکر وعمل کی صحیح راہیں بتاتے ہیں اور وہ دنیا کی زندگی میں عدل اور سلامتی اور امن کے اُصول ہمیں سکھاتے ہیں اور ان کے سرچشمۂ علم سے ہمیں کائنات کے بنیادی حقائق کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ تب اللہ اپنے نبیؐ سے فرماتا ہے:

قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ط اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ قف كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ○ (یونس:۳۵)

''کہو، مگر اللہ حق کی طرف راہ نُمائی کرتا ہے، پھر بتاؤ کون اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے؟ وہ جو حق کی طرف راہ نُمائی کرتا ہے، یا وہ جو خود ہدایت نہیں پاتا الّا یہ کہ اس کی راہ نُمائی کی جائے؟ تمھیں کیا ہوگیا ہے، کیسے فیصلے کررہے ہو؟''

ان تصریحات کے بعد اب یہ سوال حل طلب رہ جاتا ہے کہ ربوبیت کے باب میں ان کی وہ اصل گم راہی کیا تھی؟ جس کی اصلاح کرنے کے لیے اللہ نے اپنے نبی کو بھیجا اور کتاب نازل کی۔ اس سوال کی تحقیق کے لیے جب ہم قرآن میں نظر کرتے ہیں تو ان کے عقائد واعمال میں بھی ہمیں انھی دو بنیادی گم راہیوں کا سراغ ملتا ہے جو قدیم سے تمام گم راہ قوموں میں پائی جاتی رہی ہیں، یعنی:

ایک طرف فوق الطبعی ربوبیت والٰہیت میں وہ اللہ کے ساتھ دوسرے الٰہوں اور ارباب کو شریک ٹھہراتے تھے، اور یہ سمجھتے تھے کہ سلسلۂ اسباب پر جو حکومت کارفرما ہے اس کے اختیارات واقتدارات میں کسی نہ کسی طور پر ملائکہ اور بزرگ انسان اور اجرامِ فلکی وغیرہ بھی دخل رکھتے ہیں اسی بنا پر دعا اور استعانت اور مراسمِ عبودیت میں وہ صرف اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے بلکہ ان بناوٹی خداؤں کی طرف بھی رجوع کیا کرتے تھے۔

دُوسری طرف تمدنی وسیاسی ربوبیت کے باب میں ان کا ذہن اس تصور سے بالکل خالی تھا کہ اللہ اس معنی میں بھی رب ہے، اس معنی میں وہ اپنے مذہبی پیشواؤں، اپنے سرداروں اور اپنے خاندان کے بزرگوں کو رب بنائے ہوئے تھے اور انھی سے اپنی زندگی کے قوانین لیتے تھے۔

چنانچہ پہلی گم راہی کے متعلق قرآن یہ شہادت دیتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِۨاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَضُرُّهٗ وَمَالَا يَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَالضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ۝ (الحج:۱۱۔۱۳)

''انسانوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو خدا پرستی کی سرحد پر کھڑا ہو کر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ فائدہ ہوا تو مطمئن ہو گیا اور جو کوئی تکلیف پہنچ گئی تو اُلٹا پھر گیا۔ یہ شخص دنیا اور آخرت دونوں میں خسارہ اُٹھانے والا ہے۔ وہ اللہ سے پھر کر انھیں پکارنے لگتا ہے جو نہ اسے نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ فائدہ پہنچانے کی۔ یہی بڑی گم راہی ہے۔ وہ مدد کے لیے انھیں پکارتا ہے جنھیں پکارنے کا نقصان بہ نسبت نفع کے زیادہ قریب ہے کیسا بُرا مولیٰ ہے اور

کیسا برا ساتھی ہے۔"

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَاللّٰهِ ط قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ط سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ (یونس:١٨)

"یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر اُن کی عبادت کرتے ہیں جو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے حضور ہمارے سفارشی ہیں، کہو (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم!) کیا تم اللہ کو اس بات کی خبر دیتے ہو جو اس کے علم میں نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین[1] میں؟ اللہ پاک ہے اس شرک سے جو یہ کرتے ہیں۔"

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ط (حٰم السجدۃ:٩)

"اے نبیؐ! ان سے کہو، کیا واقعی تم اُس خدا سے جس نے دو دن میں زمین کو پیدا کر دیا کفر کرتے ہو اور دوسروں کو اس کا ہمسَر اور مدِّ مقابل بناتے ہو۔"

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ط وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ (المائدہ:٧٦)

"کہو، کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اُن کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمھارے لیے نقصان کا کچھ اختیار رکھتے ہیں نہ فائدے کا؟ حالانکہ سننے اور جاننے والا تو اللہ ہی ہے"

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ط (الزمر:٨)

"اور جب انسان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو یک سُو ہو کر اپنے رب ہی کو پکارتا ہے، مگر جب وہ اپنی نعمت سے اسے سرفراز کرتا ہے تو یہ اس مصیبت کو بھول

---

[1] یعنی تم اس خیالِ خام میں مبتلا ہو کہ تمہارے ان معبودوں کا میرے ہاں ایسا زور چلتا ہے کہ جو سفارش یہ مجھ سے کر دیں وہ بس قبول ہو کر رہتی ہے، اور اسی لیے تم ان کے آستانوں پر پیشانیاں رگڑتے اور نذریں چڑھاتے ہو۔ مگر میں تو آسمانوں اور زمین میں کسی ایسی ہستی کو نہیں جانتا جو میرے دربار میں اتنی زور آور ہو یا مجھے ایسی محبوب ہو کہ میں اس کی سفارش قبول کرنے پر مجبور ہو جاؤں پھر کیا تم مجھے ان سفارشیوں کی خبر دے رہے ہو جنہیں میں خود نہیں جانتا؟ ظاہر ہے کسی چیز کا اللہ کے علم میں نہ ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس چیز کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

جاتا ہے جس میں مدد کے لیے اس سے پہلے اللہ کو پکار رہا تھا اور اللہ کے ہم سَر ٹھہرانے لگتا ہے[1] تا کہ یہ حرکت اسے اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے۔''

وَمَابِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْئَرُوْنَ ۝ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ط فَتَمَتَّعُوْا قف فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ط تَاللّٰهِ لَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۝ (النحل:۵۳-۵۶)

''تمھیں جو نعمت بھی حاصل ہے اللہ کی بخشش سے حاصل ہے۔ جب تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اللہ ہی کی طرف فریاد لے کر تم جاتے ہو، مگر جب وہ اس مصیبت کو تم پر سے ٹال دیتا ہے تو تم میں سے کچھ لوگ ہیں جو (اس مشکل کشائی میں) دوسروں کو شریک ٹھہرانے لگتے ہیں تا کہ ہمارے احسان کا جواب احسان فراموشی سے دیں۔ اچھا مزے کرلو۔ عن قریب تمھیں اس کا انجام معلوم ہو جائے گا۔ یہ لوگ جنھیں نہیں جانتے ان کے لیے ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے حصے[2] مقرر کرتے ہیں۔ خدا کی قسم جو افترا پردازیاں تم کرتے ہو ان کی باز پرس تم سے ہو کر رہے گی۔''

رہی دُوسری گم راہی تو اس کے متعلق قرآن کی شہادت یہ ہے:

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ط (الانعام:۱۳۷)

''اور اسی طرح بہت سے مشرکین کے لیے ان کے بنائے ہوئے شریکوں نے اپنی اولاد کا قتل پسندیدہ بنا دیا تا کہ انھیں ہلاکت میں مبتلا کریں اور ان کے دین کو ان کے لیے مشتبہ بنا دیں۔''

ظاہر ہے کہ یہاں ''شریکوں'' سے مراد بت اور دیوتا نہیں ہیں بلکہ وہ پیشوا اور راہ نُما ہیں

[1] اللہ کے ہم سَر ٹھہرانے لگتا ہے۔ یعنی یہ کہنے لگتا ہے کہ یہ مصیبت فلاں بزرگ کی برکت سے ٹلی اور یہ نعمت فلاں حضرت کی عنایت سے نصیب ہوئی۔

[2] یعنی جن کے متعلق انھیں ہرگز کسی ذریعۂ علم سے یہ تحقیق نہیں ہوا ہے کہ مصیبت کے ٹالنے والے اور مشکل کو آسان کرنے والے وہ تھے، ان کے لیے شکرانے کے طور پر چڑھاوے اور نذریں اور نیازیں نکالتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ ہمارے دیے ہوئے رزق سے نکالتے ہیں۔

جنھوں نے قتلِ اولاد کو اہلِ عرب کی نگاہ میں ایک بھلائی اور خوبی کا کام بنایا اور حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ کے دین میں اس رسمِ قبیح کی آمیزش کر دی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ خدا کے ''شریک'' اس معنی میں قرار نہیں دیے گئے تھے کہ اہلِ عرب انھیں سلسلۂ اسباب پر حکم ران سمجھتے تھے یا ان کی پرستش کرتے اور ان سے دعائیں مانگتے تھے، بلکہ انھیں ربوبیت والٰہیت میں شریک اس لحاظ سے ٹھہرایا گیا تھا کہ اہلِ عرب ان کے اس حق کو تسلیم کرتے تھے کہ تمدنی ومعاشرتی مسائل اور اخلاقی ومذہبی اُمور میں وہ جیسے چاہیں قوانین مقرر کر دیں۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ (الشوریٰ:۲۱)

''کیا یہ ایسے شریک بنائے بیٹھے ہیں جنھوں نے ان کے لیے دین کی قسم سے وہ قانون بنا دیا جس کا اللہ نے کوئی اِذن نہیں دیا ہے۔''

لفظ ''دین'' کی تشریح آگے چل کر بیان ہوگی اور وہیں اس آیت کے مفہوم کی وسعت بھی پوری طرح واضح ہو سکے گی، لیکن یہاں کم از کم یہ بات تو صاف معلوم ہو جاتی ہے کہ اللہ کی اجازت کے بغیر ان کے پیشواؤں اور سرداروں کا ایسے ضابطے اور قاعدے مقرر کرنا جو ''دین'' کی نوعیت رکھتے ہوں اور اہلِ عرب کا ان ضابطوں اور قاعدوں کو واجب التقلید مان لینا یہی ربوبیت والٰہیت میں ان کا خدا کے ساتھ شریک بننا اور یہی اہلِ عرب کا ان کی شرکت کو تسلیم کر لینا تھا۔

قرآن کی دعوت

گم راہ قوموں کے تخیلات کی یہ تحقیق جو پچھلے صفحات میں کی گئی ہے۔ اس حقیقت کو بالکل بے نقاب کر دیتی ہے کہ قدیم ترین زمانہ سے لے کر زمانۂ نزولِ قرآن تک جتنی قوموں کا ذکر قرآن نے ظالم، فاسد العقیدہ اور بدراہ ہونے کی حیثیت سے کیا ہے، ان میں سے کوئی بھی خدا کی ہستی کی منکر نہ تھی، نہ کسی کو اللہ کے مطلقاً رب اور الٰہ ہونے سے انکار تھا، البتہ ان سب کی اصل گم راہی اور مشترک گم راہی یہ تھی کہ انھوں نے ربوبیت کے اُن پانچ مفہومات کو جو ہم ابتدا میں لغت اور قرآن کی شہادتوں سے متعین کر چکے ہیں، دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

ربّ کا یہ مفہوم کہ وہ فوق الفطری طور پر مخلوقات کی پرورش، خبر گیری، حاجت روائی اور نگاہ بانی کا کفیل ہوتا ہے، ان کی نگاہ میں ایک الگ نوعیت رکھتا تھا، اور اس مفہوم کے اعتبار سے وہ اگرچہ ربِّ

اعلیٰ تو اللہ ہی کو مانتے تھے، مگر اس کے ساتھ فرشتوں اور دیوتاؤں کو، جنوں کو، غیر مرئی قوتوں کو، ستاروں اور سیاروں کو، انبیا اور اولیا اور روحانی پیشواؤں کو بھی ربوبیت میں شریک ٹھہراتے تھے۔

اور ربّ کا یہ مفہوم کہ وہ امر و نہی کا مختار، اقتدارِ اعلیٰ کا مالک، ہدایت و راہ نُمائی کا منبع، قانون کا ماخذ، مملکت کا رئیس اور اجتماع کا مرکز ہوتا ہے، ان کے نزدیک بالکل ہی ایک دوسری حیثیت رکھتا تھا اور اس مفہوم کے اعتبار سے وہ یا تو اللہ کی بجائے صرف انسانوں کو رب مانتے تھے یا نظریے کی حد تک اللہ کو رب ماننے کے بعد عملاً انسانوں کی اخلاقی وتمدنی اور سیاسی ربوبیت کے آگے سرِ اطاعت خم کیے دیتے تھے۔

اسی گم راہی کو دور کرنے کے لیے ابتدا سے انبیا علیہم السلام آتے رہے ہیں اور اسی کے لیے آخر کار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ ان سب کی دعوت یہ تھی کہ ان تمام مفہومات کے اعتبار سے رب ایک ہی ہے اور وہ اللہ جل شانہ ہے۔ ربوبیت نا قابلِ تقسیم ہے۔ اس کا کوئی جز کسی معنی میں بھی کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے۔ کائنات کا نظام ایک کامل مرکزی نظام ہے جسے ایک ہی خدا نے پیدا کیا۔ جس پر ایک خدا فرماں روائی کر رہا ہے، جس کے سارے اختیارات واقتدارات کا مالک ہی خدا ہے۔ نہ اس نظام کے پیدا کرنے میں کسی دوسرے کا کچھ دخل ہے، نہ اس کی تدبیر وانتظام میں کوئی شریک ہے، اور نہ اس کی فرماں روائی میں کوئی حصہ دار ہے۔ مرکزی اقتدار کا مالک ہونے کی حیثیت سے وہی اکیلا خدا تمھارا فوق الفطری رب بھی ہے اور اخلاقی وتمدنی اور سیاسی رب بھی۔ وہی تمھارا معبود ہے۔ وہی تمھارے سجدوں اور رکوعوں کا مرجع ہے۔ وہی تمھاری دعاؤں کا ملجا و ماوٰی ہے۔ وہی تمھارے توکل واعتماد کا سہارا ہے۔ وہی تمھاری ضرورتوں کا کفیل ہے اور اسی طرح وہی بادشاہ ہے۔ وہی مالک الملک ہے۔ وہی شارع وقانون ساز اور امر و نہی کا مختار بھی ہے۔ ربوبیت کی یہ دونوں حیثیتیں جنھیں جاہلیت کی وجہ سے تم نے ایک دوسرے سے الگ ٹھہرا لیا ہے، حقیقت میں خدائی لازمہ اور خدا کے خدا ہونے کا خاصہ ہیں۔ انھیں نہ ایک دُوسرے سے منفک کیا جا سکتا ہے، اور نہ ان میں سے کسی حیثیت میں بھی مخلوقات کو خدا کا شریک ٹھہرنا دُرست ہے۔

اس دعوت کو قرآن جس طریقہ سے پیش کرتا ہے وہ خود اسی کی زبان سے سنیے:

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ قف یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا لا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ م بِاَمْرِهٖ ط اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ○ (الاعراف ۷:۵۴)

''حقیقت میں تمھارا رب تو اللہ ہے جس نے آسمان وزمین کو چھے دن میں پیدا کیا اور پھر اپنے تختِ سلطنت پر جلوہ افروز ہوگیا، جو دن کو رات کا لباس اڑھاتا ہے اور پھر رات کے تعاقب میں دن تیزی کے ساتھ دوڑ آتا ہے، سورج اور چاند اور تارے سب کے سب جس کے تابع فرماں ہیں۔ سنو! خلق اسی کی ہے اور فرماں روائی بھی اسی کی۔ بڑا بابرکت ہے وہ کائنات کا رَبّ۔

قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ یَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَمَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ط فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ج فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ج فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ج فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ ○ (یونس:۳۱-۳۲)

''ان سے پوچھو، کون تم کو آسمان وزمین سے رزق دیتا ہے؟ کانوں کی شنوائی اور آنکھوں کی بینائی کس کے قبضہ واختیار میں ہے؟ کون ہے جو بے جان کو جان دار میں سے اور جان دار کو بے جان میں سے نکالتا ہے؟ اور کون اس کارگاہِ عالم کا انتظام چلا رہا ہے؟ وہ ضرور کہیں گے اللہ، کہو، پھر تم ڈرتے نہیں ہو؟ جب یہ سارے کام اسی کے ہیں تو تمھارا حقیقی رب اللہ ہی ہے۔ حقیقت کے بعد گم راہی کے سوا اور کیا رہ جاتا ہے؟ آخر کہاں سے تمھیں یہ ٹھوکر لگتی ہے کہ حقیقت سے پھرے جاتے ہو؟''

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ج یُكَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّهَارِ وَیُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَی الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ط ذٰلِكُمُ

اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ط لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ o (الزمر:۵-۶)

''اس نے زمین و آسمان کو برحق پیدا کیا ہے۔ رات کو دن پر اور دن کو رات پر وہی لپیٹتا ہے۔ چاند اور سورج کو اسی نے ایسے ضابطے کا پابند بنایا ہے کہ ہر ایک اپنے مقررہ وقت تک چلے جا رہا ہے...... یہی اللہ تمھارا رب ہے۔ بادشاہی اسی کی ہے۔ اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔ آخر یہ تم کہاں سے ٹھوکر کھا کر پھرے جاتے ہو؟''

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ط ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ م لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ز فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ o اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ط ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ج فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ o هُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ط (المومن:۶۱-۶۵)

''اللہ جس نے تمھارے لیے رات بنائی کہ اس میں تم سکون حاصل کرو۔ اور دن کو روشن کیا......وہی تمھارا اللہ تمھارا رب ہے، ہر چیز کا خالق، کوئی اور معبود اس کے سوا نہیں، پھر یہ کہاں سے دھوکا کھا کر تم بھٹک جاتے ہو؟......اللہ جس نے تمھارے لیے زمین کو جائے قرار بنایا، اور آسمان کا گنبد بنا دیا، تمھاری صورتیں بنائیں اور خوب ہی صورتیں بنائیں، اور تمھاری غذا کے لیے پاکیزہ چیزیں مہیا کیں، وہی اللہ مھارا رب ہے، بڑا بابرکت ہے وہ کائنات کا رب۔ وہی زندہ ہے۔ کوئی اور معبود اس کے سوا نہیں۔ اسی کو تم پکارو اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے''

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ...... یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ط ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ط وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا یَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ o اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ج وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ط وَیَوْمَ

الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ط (فاطر:۱۳-۱۴)

''اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا...... وہ رات کو دن میں پرو دیتا ہے اور دن کو رات میں، اس نے چاند اور سورج کو ایسے ضابطہ کا پابند بنایا ہے کہ ہر ایک اپنے مقرر وقت تک چلے جا رہا ہے۔ یہی اللہ تمھارا رب ہے۔ بادشاہی اسی کی ہے۔ اس کے سوا جن دوسری ہستیوں کو تم پکارتے ہو ان کے ہاتھ میں ایک ذرّہ کا اختیار بھی نہیں ہے۔ تم پکارو تو وہ تمھاری پکاریں سن نہیں سکتے، اور سن بھی لیں تو تمھاری درخواست کا جواب دینا اُن کے بس میں نہیں۔ تم جو انھیں شریکِ خدا بناتے ہو اس کی تردید وہ خود قیامت کے دن کر دیں گے۔''

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ○ ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ط هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ط كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ج فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ط فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ط لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ لا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

(الروم:۲۶-۳۰)

''آسمانوں کے رہنے والے ہوں یا زمین کے، سب اس کے غلام اور اس کے تابع فرمان ہیں...... اللہ خود تمھاری اپنی ذات سے ایک مثال تمھارے سامنے بیان کرتا۔ کیا تمھارے غلاموں میں سے کوئی اُن چیزوں کی ملکیت میں تمھارا شریک ہوتا ہے جو ہم نے تمھیں بخشی ہیں؟ کیا ان چیزوں کے اختیارات وتصرفات میں تم اور تمھارے غلام مساوی ہوتے ہیں؟ کیا تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح اپنے برابر والوں سے ڈرا کرتے ہو؟ جو لوگ عقل سے کام لینے والے ہیں ان کے لیے تو ہم حقیقت تک پہنچا دینے والی دلیلیں اس طرح کھول کر بیان کر دیتے ہیں مگر ظالم لوگ علم کے بغیر اپنے بے بنیاد خیالات کے پیچھے چلے جا رہے ہیں...... لہٰذا تم بالکل یک سُو ہو کر حقیقی دین

کے راستہ پر اپنے آپ کو ثابت قدم کر دو اللہ کی فطرت پر قائم ہو جاؤ۔ جس پر اس نے سب انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی خلقت کو بدلا نہ جائے۔ یہی ٹھیک سیدھا طریقہ ہے، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (الزمر:٦٧)

''ان لوگوں نے اللہ کی عظمت و کبریائی کا اندازہ جیسا کہ کرنا چاہیے تھا، نہیں کیا۔ قیامت کے روز یہ دیکھیں گے کہ زمین پوری کی پوری اس کی مٹھی میں ہے اور آسمان اس کے ہاتھ میں سمٹے ہوئے ہیں۔ اس کی ذات منزّہ اور بالاتر ہے اس سے کہ کوئی اس کا شریک ہو، جیسا کہ یہ لوگ قرار دے رہے ہیں''

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَهُ الْكِبْرِيَاۗءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۠ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (الجاثیہ:٣٦۔٣٧)

''پس ساری تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو زمین و آسمان اور تمام کائنات کا رب ہے۔ کبریائی اسی کی ہے۔ آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی۔ اور وہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے۔''

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۭ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ۝ (مریم:٦٥)

''وہ زمین اور آسمانوں کا مالک اور ان ساری چیزوں کا مالک ہے جو زمین و آسمان میں ہیں۔ لہٰذا تو اسی کی بندگی کر اور اس کی بندگی پر ثابت قدم رہ۔ کیا اس جیسا کوئی اور تیرے علم میں ہے؟''

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ (ہود:١٢٣)

''زمین اور آسمانوں کی ساری پوشیدہ حقیقتیں اللہ کے علم میں ہیں اور سارے معاملات اسی کی سرکار میں پیش ہوتے ہیں۔ لہٰذا تو اسی کی بندگی کر اور اسی پر بھروسا کر''

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآاِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا۝ (المزمل:۹)

''مشرق اور مغرب سب کا وہی مالک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ لٰہذا تُو اسی کو اپنا مختارِ کار بنالے۔''

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ۝ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ط كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ۝ (الانبیا:۹۲۔۹۳)

''حقیقت میں تمھاری یہ امت ایک ہی امت ہے۔ اور میں تمھارا رب ہوں۔ لٰہذا تم میری ہی بندگی کرو۔ لوگوں نے اس کارِربوبیت اور اس معاملہ بندگی کو آپس میں خود ہی تقسیم کرلیا ہے مگر ان سب کو بہر حال ہماری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے''

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ط (الاعراف:۳)

''پیروی کرو اس کتاب کی جو تمھارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور اسے چھوڑ کر دوسرے کارسازوں کی پیروی نہ کرو۔''

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط (آلِ عمران:۶۴)

''کہو، اے اہلِ کتاب آؤ اس بات کی طرف جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم نہ تو اللہ کے سوا کسی کی بندگی کریں، نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیں اور نہ ہم میں سے کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو اللہ کے سوا اپنا رب بنائے۔''

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۝ لا مَلِكِ النَّاسِ۝ لا اِلٰهِ النَّاسِ۝ لا (الناس:۱۔۳)

''کہو میں پناہ ڈھونڈتا ہوں اس کی جو انسانوں کا رب، انسانوں کا بادشاہ اور انسانوں کا معبود ہے۔''

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۝ (الکہف:۱۱۰)

''پس جو اپنے رب کی ملاقات کا اُمیدوار ہو اسے چاہیے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی اور کی بندگی شریک نہ کرے۔''

ان آیات کو سلسلہ وار پڑھنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن ربوبیت کو بالکل حاکمیت اور سلطانی (Sovereignty) کا ہم معنی قرار دیتا ہے اور ''ربّ'' کا یہ تصور ہمارے سامنے پیش کرتا ہے کہ وہ کائنات کا سلطانِ مطلق اور لاشریک مالک و حاکم ہے۔

اسی حیثیت سے وہ ہمارا اور تمھارا جہان کا پروردگار، مربی اور حاجت روا ہے۔

اسی حیثیت سے اس کی وفاداری وہ قدرتی بنیاد ہے جس پر ہماری اجتماعی زندگی کی عمارت صحیح طور پر قائم ہوتی ہے۔ اور اس کی مرکزی شخصیت سے وابستگی تمام متفرق افراد اور گروہوں کے درمیان ایک امت کا رشتہ پیدا کرتی ہے۔

اسی حیثیت سے وہ ہماری اور تمام مخلوقات کی بندگی، اطاعت اور پرستش کا مستحق ہے۔

اسی حیثیت سے وہ ہمارا اور ہر چیز کا مالک، آقا اور فرماں روا ہے۔

اہلِ عرب اور دُنیا کے تمام جاہل لوگ ہر زمانہ میں اس غلطی میں مبتلا تھے اور اب تک ہیں کہ ربوبیت کے اس جامع تصور کو انھوں نے پانچ مختلف النوع ربوبیتوں میں تقسیم کر دیا۔ اور اپنے قیاس وگمان سے یہ رائے قائم کی کہ مختلف قسم کی ربوبیتیں مختلف ہستیوں سے متعلق ہو سکتی ہیں اور متعلق ہیں قرآن اپنے طاقت وَر استدلال سے ثابت کرتا ہے کہ کائنات کے اس مکمل مرکزی نظام میں اس بات کی مطلق گنجائش نہیں ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ جس کے ہاتھ میں ہے اس کے سوا ربوبیت کا کوئی کام کسی دوسری ہستی سے کسی درجہ میں بھی متعلق ہو۔ اس نظام کی مرکزیت خود گواہ ہے کہ ہر طرح کی ربوبیت اُسی خدا کے لیے مختص ہے جو اس نظام کو وجود میں لایا۔ لہٰذا جو شخص اس نظام کے اندر رہتے ہوئے ربوبیت کا کوئی جز کسی معنی میں بھی خدا کے سوا کسی اور سے متعلق سمجھتا ہے یا متعلق کرتا ہے، وہ دراصل حقیقت سے لڑتا ہے، صداقت سے منہ موڑتا ہے، حق کے خلاف بغاوت کرتا ہے اور امرِ واقعی کے خلاف کام کرکے اپنے آپ کو خود نقصان اور ہلاکت میں مبتلا کرتا ہے۔

............☆☆☆............